سلسلۂ مباحثِ فقہیہ - ۴

فقہی اختلافات

حقیقت، اسباب اور آداب و ضوابط

www.KitaboSunnat.com

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ

[الشوریٰ، ۴۲: ۱۰]

تالیف

حافظ حبیب الرحمٰن

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

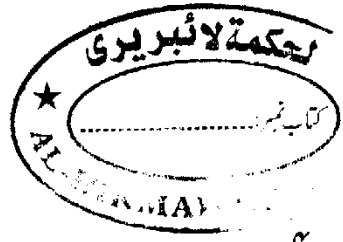

سلسلۂ مباحث فقہیہ - ۴

فی سبیل اللہ

www.KitaboSunnat.com

فقہی اختلافات

حقیقت، اسباب اور آداب وضوابط

تالیف

حافظ حبیب الرحمٰن

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق طباعت ونشر بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	فقہی اختلافات: حقیقت، اسباب اور آداب وضوابط
مؤلف	:	حافظ حبیب الرحمٰن
نظر ثانی	:	ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی، ڈاکٹر محمد طاہر منصوری
کمپوزنگ	:	الفا کمپوزنگ پوائنٹ، راولپنڈی
پروف ریڈنگ	:	عبدالرحمٰن شاکر
سرورق ڈیزائن	:	محمد طارق اعظم
مطبع	:	ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
ناشر	:	شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
نگران منشورات	:	ڈاکٹر اکرام الحق یاسین
اشاعت اول	:	اپریل ۲۰۰۹ء
تعداد	:	۱۰۰۰

کوائف فہرست سازی

حبیب الرحمٰن، حافظ

فقہی اختلافات: حقیقت، اسباب اور آداب وضوابط

کتابیات

۱۔فقہ۔اسلامی۔اصول (۱)عنوان

ISBN-978-969-8263-58-4

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

پیش لفظ ز

مقدمہ ۱

باب اوّل: فقہی اختلافات کا آغاز وارتقا ۷

(الف) عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ۷

(ب) عہدِ صحابہؓ ۱۰

عہدِ صحابہؓ میں فقہی اختلافات کی مثالیں ۱۲

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر اختلاف ۱۲

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کی جگہ میں اختلاف ۱۴

مسئلہ خلافت میں اختلاف ۱۴

مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے میں اختلاف ۱۴

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا فقہی جزئیات میں اختلاف ۱۶

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بعض مسائل میں اختلافِ رائے ۱۷

فقہی اختلافات میں صحابہؓ کا طرزِ عمل ۱۹

(ج) عہد تابعینؒ و تبع تابعینؒ ۲۰

تابعین میں اختلافِ رائے کی چند مثالیں ۲۱

باب دوم: ائمہ مجتہدین کے فقہی اختلافات ۲۷

فقہی مذاہب کا ظہور ۲۷

امام حسن بصریؒ اور ان کے اصولِ اجتہاد ۲۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام اوزاعیؒ اور ان کی فقہ	۳۱
سفیان ثوریؒ اور ان کا فقہی منہج واسلوب	۳۲
سفیان بن عیینہؒ	۳۳
داؤد بن علی ظاہری اور مذہب ظاہری کی اساس	۳۳
فقہ حنفی اور اس کے امتیازات	۳۵
امام ابوحنیفہؒ کے اصولِ اجتہاد اور طرزِ استنباط	۳۶
فقہ حنفی کی معروف کتب	۴۰
فقہ مالکی اور اس کی خصوصیات	۴۱
امام مالکؒ کے اصولِ اجتہاد	۴۳
فقہ شافعی اور اس کی خصوصیات	۴۶
فقہ حنبلی اور اس کے اصولِ اجتہاد	۵۰
فقہی اختلافات میں ائمہ کا طرزِ عمل	۵۵
امام ابوحنیفہؒ کے جلیل القدر تلامذہ کا اختلاف	۵۵
امام ابوحنیفہؒ کی عظمت فقہاء ومحدثین کی نظر میں	۵۶
امام شافعیؒ محدثین وفقہا کی نظر میں	۵۸
امام احمد بن حنبلؒ فقہا ومحدثین کی نظر میں	۵۹
باب سوم: ائمہ مجتہدین کے بعد فقہی اختلافات	۶۱
فقہی مناظرے	۶۱
اختلاف کے بنیادی سبب کے بارے میں غلط فہمی	۶۲
فقہی اقوال کے ادراک میں فرقِ مراتب	۶۳
''رائے'' اور ''ظاہریت'' کے مفہوم سے ناواقفیت	۶۴
اندھی تقلید کا زور	۶۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہی اختلاف میں سلف کا طرزِ عمل ۶۷

غیر ضروری فنی کاوشوں کا زور ۶۹

باب چہارم: فقہی اختلاف کے اسباب ۷۱

پہلا سبب: قرآن مجید کی قراءتوں کا اختلاف ۷۱

دوسرا سبب: حفظِ حدیث میں فرقِ مراتب ۷۳

تیسرا سبب: حدیث رسولؐ کے ثبوت میں شبہ ۷۷

چوتھا سبب: نص کے فہم اور اس کی تفسیر میں اختلاف ۸۲

پانچواں سبب: لفظ کا مشترک ہونا ۹۳

چھٹا سبب: دلائل کا تعارض ۱۰۰

ساتواں سبب: کسی مسئلے میں نص کا نہ ہونا ۱۰۸

باب پنجم: فقہی اختلاف کے آداب وضوابط ۱۱۷

متفقہ مسائل پر زیادہ توجہ دینا ۱۱۷

ترجیحات کا اصول: **الأهم فالأهم** ۱۱۸

فقہی مسائل میں اختلاف کا تعین ۱۱۹

اجتہادی اور فقہی اختلاف کا درجہ ۱۲۱

فقہی مسائل میں افراط وتفریط ۱۲۲

اختلافی مسائل میں کسی چیز کو منکر قرار دینے کا اصول ۱۲۶

اختلافی مسائل میں نکیر کا اصول۔ علما وفقہا کی نظر میں ۱۲۶

محبت اور رواداری ۱۲۸

مسلکی تعصب سے بالاتر رہنا ۱۲۸

عناد اور ہٹ دھرمی سے اجتناب ۱۲۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدگمانی سے احتراز	۱۳۰
چند اہم مباحث	۱۳۰
اختلافی مسائل میں کسی معین مسلک کی پابندی کا مسئلہ	۱۳۰
۱۔ منصوص احکام کے خلاف کسی کی تقلید یا اتباع	۱۳۱
۲۔ اجتہادی مسائل میں مجتہدین کی اتباع	۱۳۱
ابن قیمؒ کا نقطۂ نظر	۱۳۲
امام ابن تیمیہؒ کا نقطۂ نظر	۱۳۴
علامہ شرنبلالی حنفی کا موقف	۱۳۴
ابن الصلاح کا نقطۂ نظر	۱۳۴
نفسانی خواہش کے لیے مسلک کی تبدیلی	۱۳۵
اجتہادی آراء میں سہولتیں تلاش کرنا	۱۳۶
اہم نکات	۱۳۸
کتابیات	۱۴۱

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ زندگی متحرک اور ترقی پذیر ہے۔ اس میں نشوونما کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔ اس کے طویل اور مسلسل سفر میں وہی نظامِ زندگی اس کے ہم رکاب ہوسکتا ہے جو تغیر و نمو کی دوڑ میں پیچھے نہ رہے بلکہ اس کے قدم سے قدم ملائے رواں دواں ہو۔

اسلام کی یہ منفرد خصوصیت ہے کہ وہ ہر زمان و مکان میں قابل عمل نظامِ زندگی ہے۔ یہی وہ دین ہے جو زندگی کی طرح زندہ، فطری حقائق کی مانند ابدی اور زمانے کی طرح ارتقاء پذیر ہے۔ اس میں رفتارِ زندگی سے پیدا ہونے والے نئے اُمور اور طریقہ ہائے کار کے شانہ بشانہ چلنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دین کو ہر دور میں فعال اور مضبوط رجال کار عطا فرمائے جو شریعت کی روح اور مقاصد کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل اور جدید اُمور کا حل تلاش کرتے رہے۔ ان فقہاء کا فقہی سرمایہ زندہ جاوید ہے۔ انہوں نے اس قانونی اور فقہی متاع کو تشکیل دینے میں اپنی زندگیاں وقف کیں۔ یہ علمی ورثہ آج بھی قانون سازی کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ لوگ بالخصوص رائج الوقت قانون سے وابستہ افراد جب فقہاء اور مجتہدین کی آراء اور اجتہادات پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ جب اسلامی قانون کا بنیادی مصدر کتاب اللہ اور سنت رسولؐ ہے تو پھر ان مجتہدین کی آراء اور اجتہادات میں اختلاف کیوں ہے؟ ایک مسئلے میں کسی ایک فقیہ کی ایک رائے ہے اور اسی مسئلے میں دوسرے فقیہ یا امام کی رائے اس سے مختلف ہے۔ بعض اوقات لوگ اس قسم کے اختلافات کی حقیقت اور اسباب سے لاعلمی کی بنا پر خود شریعت ہی سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ جب اسلامی قانون کے نفاذ کی بات ہو تو اکثر اس شبہ کا اظہار کیا جاتا ہے کہ یہ دین اختلافات کی جولان گاہ ہے۔ اس میں بے شمار فرقے اور مذاہب ہیں، کون سی فقہ، کون سی شریعت، کس فرقے کا دین اور کون سا اسلامی قانون اختیار کیا جائے اور کس کو ترک کیا جائے؟ جب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی نفاذ شریعت کی بات کی جاتی ہے تو فوراً اس قسم کے سوالات اور شکوک وشبہات کے اظہار کے ذریعے فرار کا راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس الجھن کا بنیادی سبب یہ ہے کہ دو سو سال پہلے مغربی استعمار کی آمد پر مسلمانوں کے اجتماعی ادارے ایک ایک کر کے مٹا دیے گئے اور اسلامی قوانین کو ختم کر دیا گیا۔ اس طرح مسلمان جس نظام اور جن اداروں سے مانوس تھے ان کا عملی نقشہ برسر زمین موجود نہ رہا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو جس نظام اور قانون سے متعارف کرایا گیا وہ چونکہ اسلام کے قانونی نظام سے بالکل مختلف بلکہ متعدد معاملات میں اس سے متعارض تھا، جس سے رفتہ رفتہ مسلمانوں کے ذہنوں سے اس کا پس منظر اور سیاق وسباق محو ہوتا گیا۔ وہ بیسویں صدی کے وسط تک فقہی ورثے سے یکسر بیگانہ ہو چکے تھے۔ اب حال یہ ہے کہ دینی حلقوں اور فقہی پس منظر رکھنے والے علماء کی طرف سے کسی مسئلے پر فقہی انداز میں گفتگو سامنے آتی ہے تو اس کا استقبال عام طور پر اجنبیت کے ساتھ ساتھ مغربی افکار سے پیدا ہونے والے شکوک وشبہات سے کیا جاتا ہے۔

ہمارے ملک میں وہ اہل علم ودانش بھی موجود ہیں جو مغربی علوم وفنون پر ماہرانہ اور ناقدانہ نظر رکھتے ہیں۔ یہاں ایسے ماہرین قانون کی بھی کمی نہیں جن کی قانونی بصیرت دنیا بھر میں مسلّم ہے لیکن ان میں ایسے لوگ خال خال ہی ہیں جو اسلامی شریعت کے اصل مآخذ تک براہ راست رسائی رکھتے ہیں۔ بڑی تعداد ایسے اصحاب کی ہے جو انگریزی یا اردو میں چند کتب سے ہی کام چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا کوئی قانون اور نظام اپنی وسعت، جامعیت اور عالمگیریت میں اسلامی نظام کا مقابلہ نہیں کر سکتا، مگر فقہ اسلامی اور اس کے متعلقہ جملہ علوم مثلاً تفسیر، حدیث اور اصول حدیث وغیرہ سب عربی میں ہیں اور عربی زبان میں مہارت حاصل کیے بغیر اس سے کما حقہٗ استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو فقہی ورثے کی عظمت کا احساس نہیں ہو پاتا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فقہی اختلافات کا آغاز عہد صحابہ سے ہی ہو گیا تھا۔ تاہم یہ عقائد کا اختلاف نہیں تھا بلکہ اجتہادی اختلاف تھا۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اختلاف کی گنجائش کے لحاظ سے احکام تین طرح کے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ وہ احکام جن کی قرآن اور سنت ثابتہ میں صراحت ہے اور اس کا معنی قطعی ہے۔ اس نوع کے احکام میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام کا مدار ان قطعیات پر ہے اور یہی اسلام اور کفر کی حدود کا تعین کرتی ہیں۔

۲۔ وہ احکام جن کی قرآن اور سنت ثابتہ میں صراحت ہے مگر ان کا معنی قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے، یعنی ان کے مفہوم کے تعین میں ایک سے زائد آراء ممکن ہیں۔ اس قسم کے احکام کی تعبیر وتشریح میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

۳۔ وہ احکام جن کی قرآن وسنت میں صراحت نہیں ہے بلکہ ائمہ مجتہدین اور فقہا نے اجتہاد سے ان کا استنباط کیا۔ اس نوع کے اجتہادی مسائل میں اختلاف کی وسیع گنجائش موجود ہے۔

اختلافی امور میں کسی بھی فقیہ کی رائے کو راجح قرار دیا جاسکتا ہے بشرطیکہ محقق میں دلائل کی ترجیح کی صلاحیت اور استعداد موجود ہو۔ یہ کفر اور اسلام کا مسئلہ نہیں بلکہ اسلام کے ہمہ جہت، عالمگیر اور دائمی وابدی ہونے کا بیّن ثبوت ہے، کیونکہ حالات وضروریات اور پیش آمدہ مسائل کے مطابق اجتہاد ناگزیر ہے، اور اجتہادی عمل سے اختلافی آراء کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔

اختلافِ فقہاء کی حقیقت، اسباب اور آداب کا مطالعہ ایک دلچسپ موضوع ہے اور ہر دور میں اس پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہ امر خوش آئند ہے کہ ہمارے ہاں قانون دان حضرات میں اسلامی قانون کا مطالعہ کرنے کا رجحان اور ذوق دن بدن بڑھ رہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی قانون سے متعلق جو شبہات، تحفظات اور سوالات شدت سے ابھر رہے ہیں ان پر علمی انداز سے روشنی ڈالی جائے۔ اس ضرورت کے پیش نظر اس کتابچے میں فقہی اختلاف کی حقیقت اور اسباب پر بحث کی گئی ہے۔ فقہی اختلاف میں اسلاف اور ائمہ مجتہدین کے طرز عمل کی نشان دہی مثالوں سے کی گئی ہے اور فروعی اختلافات کے آداب وضوابط کا بھی تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ شریعہ اکیڈمی نے اس رسالے کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے۔ امید ہے یہ کاوش اسلامی قانون کے فہم میں مدد ومعاون ثابت ہوگی۔

محمد یوسف فاروقی
ڈائریکٹر، شریعہ اکیڈمی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

فقہی اختلاف کا موضوع وہ اجتہادی مسائل ہیں جن میں ائمہ و مجتہدین کی اجتہادی آرا ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس کتابچے میں اس نوع کے فقہی اختلاف کی حقیقت، اسباب واثرات، نیز فقہی اختلاف کے آداب اور اصول وضوابط بیان کیے گئے ہیں۔

ضروری نہیں کہ جہاں بھی کسی مسئلے میں ایک سے زائد آرا ہوں، یا دو اقوال میں بظاہر تعارض نظر آئے، وہاں حقیقی اختلاف بھی ہو۔ بسا اوقات کسی مسئلے میں مفسرین وفقہا کی مختلف آرا دیکھ کر ایک ظاہر بین شخص کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے حالانکہ بعض اوقات ایک ہی نقطۂ نظر کو مختلف الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس میں مختلف عبارات دیکھ کر عام آدمی اسے اختلافِ حقیقی سمجھ بیٹھتا ہے یا کسی مسئلے کی مختلف نوعیتوں کا ذکر ہوتا ہے جس کی حقیقت ایک سطحی علم رکھنے والا شخص نہیں سمجھ پاتا تو اسی کو متضاد آرا پر مبنی اختلاف قرار دیتا ہے۔ اس بنا پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ موضوع کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے اختلاف کی مختلف صورتوں اور اس سے متعلقہ چند ضروری اصطلاحات کی وضاحت کر دی جائے تاکہ قارئین کو اصل مضمون سمجھنے میں آسانی ہو۔ اجتہادی مسائل میں اختلاف کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اس کی درج ذیل انواع سے آگاہی ضروری ہے۔

اختلافِ عبارت

جب مقصود ایک ہی ہو لیکن اندازِ تعبیر الگ الگ ہو۔ یعنی ہر فقیہ، یا مفسر نے اس مقصد کو اپنے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہو، تو اسے اختلافِ تعبیر یا اختلافِ عبارت کہا جاتا ہے، مثلاً سورۂ فاتحہ میں الصراط المستقیم کی تفسیر میں کسی نے اس سے ''قرآن'' مراد لیا ہے، اور کسی نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اسلام''۔ یہاں دونوں اقوال کا مقصود ایک ہی ہے، کیونکہ اسلام قرآن کریم کی اتباع کا نام ہے۔ یہاں کسی قسم کا حقیقی اختلاف نہیں ہے۔

اختلافِ تنوُّع

جب کسی ایک چیز کی مختلف انواع واقسام ہوں اور کسی نے بطور مثال ایک قسم بیان کی اور کسی نے دوسری قسم کا ذکر کیا ہو تو اسے اختلافِ تنوُّع سے تعبیر کیا جاتا ہے، مثلاً قرآن مجید کی اس آیت: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ. وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ (فاطر ۳۵:۳۲) میں بعض مفسرین نے سابق بالخیرات کا معنی ابتدائی وقت میں نماز کی ادائیگی، مقتصد کا معنی درمیانی وقت میں ادائیگی، جبکہ ظالم لنفسہ کا معنی اخیر وقت میں نماز کی ادائیگی مراد لیا ہے۔

بعض دوسرے مفسرین نے سابق بالخیرات کا معنی صدقہ، مقتصد کا معنی خرید و فروخت اور ظالم لنفسہ کا معنی سود خور مراد لیا ہے۔ یہاں ہر مفسر نے بطور مثال نیک کاموں میں سبقت، اعتدال اور ظلم کی ایک ایک شکل ذکر کر دی۔ یہاں بھی کسی قسم کا حقیقی تضاد نہیں ہے۔

اختلافِ تضاد

جب کسی مسئلے میں فقہا کی متضاد آرا ہوں تو اسے اختلافِ تضاد کہا جاتا ہے۔ اس کو حقیقی اختلاف سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

چند اصطلاحات کی وضاحت

اختلاف اور تنازُع

تنازُع کا لغوی معنی جھگڑا ہے، لیکن بسا اوقات اختلاف رائے تنازع کا سبب بھی بن جاتا ہے، اس لیے لفظِ اختلاف تنازع کے مفہوم میں بھی مجازاً استعمال ہو جاتا ہے(۱)، مثلاً

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ (مریم ۱۹:۳۷)

۱۔ مفتاح السعادۃ، ۲:۵۹۹، دار الکتب الحدیثہ، مصر؛ التعریفات، جرجانی ۶۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر (اہل کتاب کے) فرقوں نے باہم اختلاف کیا۔

لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ (ھود: ۱۱۸) لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (یونس ۱۰: ۹۳)

بے شک تیرا پروردگار قیامت کے دن ان میں ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

مذکورہ مقامات میں لفظ اختلاف تنازع کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ اس کا بنیادی معنی تنازع نہیں۔

علم الجدل

عِلْمٌ يَقُوْمُ عَلٰى مُقَابَلَةِ الْأَدِلَّةِ لاظهارِ أَرْجَحِ الأقوالِ الفِقْهِيَّة

وہ علم ہے جس میں راجح فقہی اقوال کو بیان کرنے کے لیے دلائل کا موازنہ کیا جاتا ہے۔

شقاق

شقاق کا لغوی معنی پھٹنا، پھوٹ پڑنا، مخالفت، ضد اور دشمنی ہے۔ جب دو افراد میں باہمی جھگڑا شدت اختیار کر جائے اور ہر آدمی دوسرے کو زیر کرنا چاہتا ہو، قطع نظر اس کے کہ حق اور صحیح بات کیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ فریقین میں باہم افہام وتفہیم یا اتفاق بھی ناممکن ہو، تو اس صورت حال کو ''شقاق'' کہا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا (النساء ۴: ۳۵)

اور اگر تمہیں میاں بیوی میں کشمکش کا اندیشہ ہو۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ (البقرۃ ۲: ۱۳۷)

پس اگر وہ روگردانی کریں تو وہ لوگ برسرِ مخالفت ہیں۔

جس طرح رنگ وزبان کا اختلاف ایک فطری امر اور اللہ رب العزت کی قدرت کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، اسی طرح عقل، فہم، بصیرت اور فکر ونظر کا اختلاف بھی ایک فطری چیز اور رب العزت کی قدرت کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ جب لوگوں کے عقل وفہم میں فرق ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے یکساں عقل نہیں دی تو لازماً فکر ونظر کا اختلاف بھی ہوگا۔

حاصل بحث

اختلاف کی بعض صورتیں نہ صرف جائز، بلکہ بے شمار فوائد کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ جبکہ بعض صورتیں ناجائز اور بدترین نتائج کی حامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے سامنے ایک طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے: اختلاف امتی رحمة (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) تو دوسری طرف یہ فرمان بھی ہے: ذَرُوْنِی مَاتَرَکْتُکُم، فَإِنَّما هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُم بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ علىٰ أَنْبِيَاءِ هِمْ، فَإِذَا أمرُتُكم بِشَيْءٍ فَأْتُوا منه مااسْتَطَعْتُم (جب میں کسی معاملے میں خاموشی اختیار کروں تو مجھ سے سوال نہ کرو، کیونکہ تم سے پہلے والے لوگ بھی اپنے انبیا سے زیادہ سوال کرنے اور ان سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ جب میں کسی چیز کا حکم دوں تو حسبِ استطاعت اسے سرانجام دو)۔

عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے: الاختلافُ شَرٌّ (اختلاف بری چیز ہے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کا اختلاف قابل مذمت اور برا بھی نہیں اور اختلاف کی ہر قسم قابل قبول اور جائز بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اختلاف کی دو صورتیں بیان کی ہیں: ایک اختلافِ محمود، جو شریعت کے اصولوں سے ہم آہنگ ہوتا ہے اور اسی کو رحمت قرار دیا گیا ہے۔ دوسرا اختلافِ مذموم، جو ضد، ہٹ دھرمی اور جہالت پر مبنی ہوتا ہے، اور عبداللہ بن مسعودؓ کی مراد بھی یہی اختلاف ہے۔

علمائے اصول کے نزدیک اختلاف کا موضوع وہ فقہی مسائل ہیں جن میں مجتہدین اور فقہا کی متعدد آرا موجود ہوں اور جن میں کوئی ایک مفہوم مراد لینے پر کوئی قطعی دلیل بھی موجود نہ ہو۔

جب کسی چیز کے جواز یا عدم جواز، اَولیٰ یا غیر اَولیٰ میں مجتہدین میں اختلاف ہو اور اس چیز کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا اجتہاد سے تعین کیا جائے، تو پھر ضروری ہے کہ بعض دلائل سے اس چیز کا جواز اور بعض سے عدم جواز ثابت ہوتا ہو، یعنی اس مسئلے کے دونوں پہلوؤں پر دلائل موجود

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں، اور دلائل کی بنیاد پر ایک مجتہد اسے جائز، یا اَولیٰ سمجھتا ہو اور دوسرا نا جائز، یا غیر اولیٰ سمجھتا ہو، تاہم ضروری ہے کہ ہر مجتہد و فقیہ کا مقصد منشائے الٰہی معلوم کرنا ہو۔ تمام اختلافی مسائل میں یہی حقیقی صورت حال ہے، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ صرف ان علما کی آراء کو فقہی اختلاف شمار کیا جاسکتا ہے جن کا علمی مقام اور فقہی بصیرت اس قدر مسلّم ہو کہ دیگر علما ان کی اختلافی رائے کو اہمیت دیتے ہوں۔ جیسا کہ معجم لغة الفقهاء میں ہے:

المسائلُ الخلافيةُ الّتی لم يتّفِقْ عليها من يُعتَدُّ بخلافِه مِنَ العُلَمَاءِ(۱) (اختلافی مسائل سے مراد وہ مسائل ہیں جن میں اُن علما کا اختلاف ہو جن کے اختلاف کو اختلاف شمار کیا جاتا ہے)۔

۱۔ معجم لغة الفقهاء، محمد رواس قلعہ جی، ص ۱۹۸، ادارة القرآن والعلوم الاسلاميه

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱

فقہی اختلافات کا آغاز وارتقا

عہدِ رسالت میں اسلامی قانون کی اساس قرآن وسنت کی شکل میں وحی الٰہی تھی۔ تمام احکام ایک ہی مرتبہ نازل نہیں ہوئے، بلکہ حسبِ ضرورت اور حسبِ مصلحت نازل ہوتے رہے۔ منصب رسالت میں یہ بات بھی شامل تھی کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعبیر وتشریح اور وضاحت فرمائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (النحل ۱۶: ۴۴) (اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا ہے، تاکہ آپ اسے کھول کر بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے اور تاکہ وہ غور کریں)۔

(الف) عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

فقہ کے مدون ہونے سے پہلے اور بالخصوص عہدِ رسالت میں فقہی جزئیات کا نہ تو کوئی وجود تھا اور نہ ہی اس قسم کے فقہی اختلافات تھے جو ہمارا موضوع بحث ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تمام صحابہ کرامؓ کا مرجع تھی، جب بھی کوئی نیا مسئلہ پیش آتا، یا کسی قسم کی مشکل کا سامنا ہوتا تو وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور وضاحت چاہتے کہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے۔ اس طرح آپؐ صحابہ کرامؓ کو مسائل بتاتے، ان کے لیے احکام کی وضاحت کرتے اور ہر مشکل میں راہ نمائی فرماتے، اس طرح حق ان کے سامنے واضح ہو جاتا اور ان کی مشکل حل ہو جاتی۔ جو لوگ مدینہ منورہ سے باہر تھے، انہیں جب کسی نئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورت حال کا سامنا ہوتا، یا نیا مسئلہ پیش آ تا تو کبھی قرآن وسنت کی تعبیر میں اختلاف پیدا ہو جاتا اور کبھی واضح حکم نہ ملنے کی وجہ سے مختلف اجتہادی آرا بھی سامنے آ تیں۔ پھر جب انہیں موقع ملتا اور رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو رسول اکرم ﷺ کے سامنے اپنی اجتہادی آرا، یا نصوص سے متعلق اپنا اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے، حضور اکرم ﷺ درست صورت حال کی وضاحت فرما دیتے تو وہ سنت بن جاتی اور اس طرح اختلاف ختم ہو جاتا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقع پر صحابہ کرامؓ کا ایک دستہ بنو قریظہ کی طرف روانہ کرتے وقت فرمایا تھا: لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ (۱) (بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے کوئی شخص نمازِ عصر ادا نہ کرے)۔ جب راستے میں نمازِ عصر کا وقت ہو گیا تو نماز کی ادائیگی کے بارے میں دو قسم کے نقطہ ہائے نظر سامنے آئے۔ بعض صحابہ کرامؓ کا موقف یہ تھا کہ چونکہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ بنو قریظہ پہنچ کر نماز ادا کی جائے، اس لیے ہم فرمانِ نبوی ﷺ کی تعمیل میں صرف بنو قریظہ میں ہی نماز ادا کریں گے، جبکہ بعض دوسرے صحابہ کرامؓ کا موقف یہ تھا کہ اس فرمان نبوی کا مقصود یہ ہے کہ جتنا جلدی ممکن ہو بنو قریظہ پہنچ جائیں، اب چونکہ نماز کا وقت راستے میں ہو گیا ہے اس لیے نماز پڑھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک فریق نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا جبکہ دوسرے فریق نے فرمانِ رسول کی روح اور مقصد کو سامنے رکھا۔ بعد میں جب دونوں فریقوں نے اپنا اپنا موقف رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو جناب رسالت مآب ﷺ نے دونوں کے نقطۂ ہائے نظر کو درست قرار دیا اور کسی کو بھی موردِ الزام نہیں ٹھہرایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر فریق کا موقف درست تھا، کیونکہ کسی نے بھی خدانخواستہ نبی اکرم ﷺ کے حکم اور اطاعت سے انحراف نہیں کیا، بلکہ ہر ایک نے پوری نیک نیتی کے ساتھ فرمان نبوی ﷺ پر اپنی اپنی سمجھ کے مطابق

(۱) صحیح البخاری، کتاب الخوف، باب صلاۃ الطالب راکبا و ایماء... ص ۱۷۸ (حدیث: ۹۴۶) دار احیاء التراث العربی، بیروت، اشاعت اول، ۲۰۰۱ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمل کیا۔ یہ اختلافِ محمود کی عمدہ مثال ہے۔

فقہا نے اسے بھی افضل اور غیر افضل کے تناظر میں پیش فرمایا ہے جبکہ بعض فقہا کی رائے یہ ہے کہ زیادہ بہتر طرزِ عمل ان صحابہ کرامؓ کا ہے جنہوں نے بروقت نماز ادا کی اور نبی اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل بھی کر لی۔ بعض دوسرے فقہا کا موقف یہ ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ جنہوں نے نماز مؤخر کی اور بنوقریظہ پہنچ کر نماز ادا کی، ان کا طرزِ عمل زیادہ بہتر ہے۔ مناسب ترین بات یہ ہے کہ یہاں افضل اور غیر افضل کی بحث میں الجھنے کے بجائے ہر فریق کے طرزِ عمل کو سنت قرار دیا جائے۔ رسول اکرم ﷺ کے فیصلے کے بعد اَولیٰ اور غیر اَولیٰ کی بحث خود ہی ختم ہو جاتی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> آنحضرت ﷺ کے مبارک دور میں استفتا اور افتا کا دستور صرف یہی تھا کہ لوگ پیش آمدہ واقعات کے متعلق آپؐ سے استفسار کرتے اور آپؐ ان کا حکم بیان فرما دیتے تھے۔ مختلف معاملات و مقدمات آپؐ کے سامنے پیش ہوتے، آپؐ ان کا فیصلہ فرما دیتے، لوگوں کو اچھے کام کرتے دیکھتے تو ان کی تعریف کرتے اور بُرے کام ہوتے دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے۔ (۱)

عہدِ رسالت میں فقہ کی صورت حال مزید واضح کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فقہ ایک باضابطہ فن کی صورت میں مدون نہیں تھی اور نہ اس وقت احکام کے سلسلے میں بحث کا یہ طریقہ تھا جو اس وقت ہمارے فقہا کے ہاں رائج ہے کہ وہ انتہائی محنت سے دلائل کے ساتھ ارکان، شرائط اور آداب میں ایک ایک چیز علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔ اس کے بجائے رسول اکرم ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپؐ وضو فرماتے تو صحابہ کرامؓ آپؐ کا طریقہ وضو دیکھ کر اسے اختیار کر

(۱) اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، ص ۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیتے، لیکن اس بات کی وضاحت نہیں کی جاتی تھی کہ فلاں چیز وضو کا رکن ہے اور فلاں شرط ہے۔ اسی طرح آپؐ نماز پڑھتے، صحابہ کرامؓ جس طرح آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھتے، اس طرح نماز ادا کرتے۔ آپؐ نے حج فرمایا، لوگوں نے آپؐ کے حج کرنے کے طریقے اور مراسم دیکھے اور اسی طرح خود حج کرنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ کا طریقہ تعلیم یہی تھا۔ آپؐ نے کبھی یہ نہیں بتایا کہ وضو میں چار فرض ہیں یا چھ۔(۱)

(ب) عہدِ صحابہؓ

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپؐ اپنی امت کی ہدایت کے لیے دو عظیم الشان چیزیں چھوڑ گئے: کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''میں تمہارے لیے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں: ان دونوں چیزوں پر مضبوطی سے کاربند ہونے کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے، وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہیں''۔

کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے علاوہ آپؐ صحابہ کرامؓ کی ایسی بے مثال جماعت بھی چھوڑ گئے جس نے سفر اور حضر میں آپؐ کو دیکھا، آپؐ کے ارشادات سنے، اسباب نزول کا عینی مشاہدہ کیا، اس طرح ان میں کتاب وسنت کا کامل فہم پیدا ہو گیا۔(۲)

ابو اسحاق فیروز آبادی شیرازی اپنی کتاب طبقات الفقهاء میں لکھتے ہیں: ''صحابہ کرامؓ کی اکثریت جسے رسول اکرم ﷺ کی طویل رفاقت کا شرف حاصل رہا ہے فقیہ تھی، کیونکہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے کلام کے براہ راست مخاطب تھے اور فہم دین کا ذریعہ بھی یہی دو چیزیں

---

(۱) ایضاً ص ۲۸-۲۹

(۲) عَنْ مَالِكٍ: أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّةُ نَبِيِّهِ (المؤطا، امام مالک) کتاب القدر، باب النهي عن القول بالقدر، ص ۶۰۲ (رقم الحدیث ۱۶۶۲)، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۹ء۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھیں۔''(۱)

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے دور میں اختلافات کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں ہوا تھا، کیونکہ صحابہ کرامؓ اس وقت تک مختلف ممالک میں نہیں پھیلے تھے۔ یہ دونوں خلفا اہم مسائل میں صحابہ کرامؓ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کا طرز عمل: میمون بن مہران بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس جب کوئی معاملہ آتا تو وہ اس کا حل قرآن مجید میں تلاش کرتے۔ اگر حل مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ دے دیتے۔ اگر کتاب اللہ میں حل نہ ملتا تو سنت رسولؐ کی طرف رجوع کرتے۔ اگر سنت سے رہنمائی مل جاتی تو اس کے مطابق فیصلہ دے دیتے۔ لیکن اس کا حل سنت سے بھی نہ ملتا تو پھر صحابہ کرامؓ کی طرف رجوع فرماتے کہ اس معاملے میں رسول اکرم ﷺ کا کیا حکم ہے۔ بسا اوقات صحابہ کرامؓ سے رہنمائی مل جاتی کہ اس معاملے میں آپؐ نے یہ فیصلہ دیا ہے۔ اگر کوئی نظیر نہ ملتی تو پھر اکابر صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کرتے۔ اب اگر صحابہ کرامؓ کا اس مسئلے پر اتفاق ہو جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ دے دیتے۔(۲)

مثال: حضرت ابوبکرؓ جلیل القدر صحابی ہیں، سفر و حضر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں رہا کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ کے بعض ارشادات علم میں آنے سے رہ جاتے، مثلاً جب ان کے دورِ خلافت میں دادی کی میراث کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے جواب دیا: ''کتاب اللہ میں تیرا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے اور نہ ہی سنت رسولؐ میں کوئی حصہ میرے علم میں ہے۔ میں اس سلسلے میں لوگوں سے دریافت کروں گا۔'' جب حضرت ابوبکرؓ صحابہ کرامؓ سے اس مسئلے کا حل پوچھتے ہیں تو مغیرہؓ بن شعبہ اور محمدؓ بن مسلمہ فوراً اٹھ کر گواہی دیتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اس کے مطابق فیصلہ دیتے ہیں۔

(۱) طبقات الفقهاء، ابواسحاق شیرازی (۴۷۶ھ)، ص ۱۷، دار القلم، بیروت

(۲) اختلاف الفقهاء، استاذ علی الخفیف، ص ۲۲، دار الفکر العربی، اشاعت دوم، ۱۹۹۶ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرامؓ کا بھی یہی طرز عمل رہا۔ خلفائے راشدین کے اس طرز عمل کی وجہ سے اس دور میں فقہی اختلافات کا دائرہ بہت ہی محدود تھا۔ گو کہ بعض اختلافات عہد نبوی میں ہی رونما ہوئے لیکن یہ صرف اتنی دیر تک ہی باقی رہے، جب تک فریقین کی ملاقات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہوئی۔ لازمی بات ہے کہ کچھ اختلافات عہد صحابہؓ میں بھی سامنے آئے، ان کے بھی کچھ اسباب ووجوہ تھے، لیکن حضرات صحابہؓ نے نہایت احسن طریقے سے اختلافات کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان مسائل کا حل تلاش کیا۔

عہدِ صحابہ میں فقہی اختلاف کی مثالیں

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے موقع پر اختلاف: رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد پہلا اختلاف رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بارے میں رونما ہوا۔(۱) سیدنا عمرؓ بن خطاب کا موقف یہ تھا کہ آپؐ کی وفات نہیں ہوئی ہے، لیکن جب حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور انہوں نے ساری صورت حال کا جائزہ لیا، اور قرآن مجید کی درج ذیل آیات پڑھ کر سنائیں:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ. قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ. وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا. وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (آل عمران ۳:۱۴۴)

(اور محمد ﷺ تو اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو گزرے ہیں۔ بھلا اگر یہ مر جائیں یا مارے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ تو جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو خدا کا کچھ نقصان نہ کر سکے گا اور خدا شکر گزاروں کو بڑا ثواب دے گا)۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (الزمر ۳۹:۳۰)

(اے پیغمبرؐ! تم بھی مر جاؤ گے اور یہ بھی مر جائیں گے)۔

(۱) البداية والنهاية، ابن كثير، ۳:۲۱۲، ۲۱۳، دار الكتب العلميه، بيروت ۱۹۸۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ آیات سننے کے بعد حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور انہیں یقین ہو گیا کہ وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور رسول اکرم ﷺ وفات پا چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: کَانَ وَاللّٰهِ لَمْ اَكُنْ قَرَأْتُهَا قَطُّ (اللہ کی قسم! ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گویا یہ آیات میں نے کبھی پڑھی ہی نہ تھیں)۔(۱)

حضرت عمرؓ نے رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بارے میں جو نقطۂ نظر اختیار کیا تھا، اس کی وضاحت بھی خود ہی کر دی۔ ابن عباسؓ سے نقل کیا جاتا ہے کہ سیدنا عمرؓ بن خطاب نے اپنے دورِ خلافت میں ان سے پوچھا: ''اے ابن عباسؓ! کیا تجھے معلوم ہے کہ رسول اکرمؐ کی وفات کے وقت جو موقف میں نے اپنایا تھا، اس کی وجہ کیا تھی''؟ ابن عباسؓ کہتے ہیں: میں نے کہا: ''اے امیر المومنین! مجھے نہیں معلوم، آپ زیادہ جانتے ہیں''۔ حضرت عمرؓ نے بتایا کہ میری رائے کی بنیاد یہ آیت تھی: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا. (البقرة ۲:۱۴۳) (اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت معتدل بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور نبی (آخر الزمان) تم پر گواہ بنیں)۔ اس آیت کی وجہ سے میرا خیال یہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ اس امت میں اس وقت تک رہیں گے جب تک کہ اس کے آخری فرد کے اعمال پر گواہ نہ بن جائیں۔ اس وجہ سے میں نے آپؐ کی رحلت کے وقت یہ موقف اپنایا تھا کہ آپؐ کی وفات نہیں ہوئی ہے۔(۲)

وضاحت: حضرت عمرؓ نے اس آیت کے مفہوم میں یہ اجتہاد کیا کہ یہاں ''گواہی'' سے ''دنیا میں گواہی'' مراد ہے۔ اس مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ آخر وقت تک اس دنیا میں موجود رہیں، جبکہ حضرت ابوبکرؓ اور دیگر صحابہؓ نے اس سے مختلف موقف اختیار کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی رائے ترک کر کے صحابہ کرامؓ کی رائے سے اتفاق کر لیا۔

(۱) السيرة النبوية، ابن ہشام ۴:۳۱۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت

(۲) حوالہ بالا ۴:۳۱۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اکرم ﷺ کی تدفین کی جگہ میں اختلاف: حضور اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد اس معاملے میں اختلاف ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کے جسد مبارک کی تدفین کہاں کی جائے؟ کسی نے یہ مشورہ دیا کہ مسجد نبوی میں کی جائے، کسی نے کہا کہ دیگر صحابہ کرامؓ کے ساتھ کی جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بیان کیا: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: مَا قُبِضَ نَبِيٌّ إِلَّا دُفِنَ حَيْثُ يُقْبَضُ (۱) (انبیا کی جس مقام پر وفات ہوتی ہے وہیں ان کا جسد مبارک دفن کیا جاتا ہے)۔ تو جس مقام پر آپؐ کی وفات ہوئی تھی، وہیں تدفین کی گئی۔

گو کہ دونوں قسم کے اختلافات خطرناک صورت حال بھی پیدا کر سکتے تھے لیکن کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی طرف رجوع کی وجہ سے اختلاف ختم ہو گیا۔

مسئلہ خلافت میں اختلاف: حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اس امر میں اختلاف ہوا کہ آیا خلیفہ مہاجرین سے ہو، یا انصار میں سے، ایک ہو، یا دو ہوں، لیکن جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے معاملے کی نزاکت کو جلد ہی بھانپ لیا اور صورت حال کو سنبھالا دے دیا، سب نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اختلاف ختم ہو گیا۔

مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے میں اختلاف: رسول اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد اسلام میں نئے داخل ہونے والے بعض قبائل میں ارتداد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کہیں جھوٹے مدعیانِ نبوت اٹھ کھڑے ہوئے اور کچھ قبائل نے یہ کہہ کر زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا کہ زکوٰۃ لینے کا اختیار صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا، کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت: خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ. إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ. وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (التوبۃ ۹:۱۰۳) (ان کے مال میں سے زکوٰۃ وصول کیجیے اور اس سے آپ اُن

---

(۱) ایضاً، ۴:۳۲۱؛ سنن ترمذی میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں: مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُدْفَنَ فِيهِ. اِدْفِنُوهُ فِي مَوضِعِ فِرَاشِهِ (سنن ترمذی، کتاب الجنائز، باب ۳۳، (۳:۳۳۸)، رقم الحدیث ۱۰۱۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۵ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہیں اور ان کے حق میں دعا کیجیے کہ آپ کی دعا ان کے حق میں موجب تسکین ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے) میں خطاب رسول اکرم ﷺ کو ہے، اور زکوٰۃ وصول کرنے کے نتیجے میں زکوٰۃ دینے والے کے لیے دعا اور تزکیہ کا خطاب بھی رسول اکرم ﷺ کی جانب ہے۔ اس لیے یہ اختیار نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔

جب حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کا فیصلہ کیا، تاکہ وہ اپنے طرزِ عمل سے توبہ کرلیں، زکوٰۃ ادا کریں، اور مکمل طور پر اسلام میں داخل ہو جائیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے نقطۂ نظر سے اختلاف کیا۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: جب آنحضرت ﷺ رحلت فرما گئے اور خلافت حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے سنبھالی اور کچھ عرب کفر کی طرف لوٹ گئے، تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا: تم ان لوگوں (مانعین زکوٰۃ) سے کیسے جنگ کرتے ہو، حالانکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: **اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّی مَالَه وَ نَفْسَه الا بِحَقِّهَا و حِسَابُه علی الله تعالیٰ** (مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ وہ اقرار کریں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔ جس نے اس بات کا اقرار کرلیا اس نے مجھ سے اپنے جان و مال کو محفوظ کرلیا سوائے اس کے کہ ایسا کرنا حق ہو، اور اس کے حساب کا ذمہ اللہ پر ہے)۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: بخدا! میں ان لوگوں سے ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں۔ اس لیے کہ زکوٰۃ مالی حق ہے۔ اللہ کی قسم! یہ رسول اکرم ﷺ کے دور میں جو اونٹنی دیتے تھے تو اب اس کے انکار پر میں ان سے جنگ کروں گا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! بس اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کا سینہ جنگ کے لیے کھول دیا تھا، میں نے سمجھ لیا کہ یہی حق بات ہے۔''(۱)

(۱) صحیح البخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ، رقم الحدیث ۱۳۹۹۔۱۴۰۰، ص ۲۵۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے ابتدائی موقف کا اصل سبب حدیث کے ظاہر الفاظ تھے یعنی انہوں نے اس حدیث سے یہ مراد لیا کہ جب کوئی شخص صرف توحید ورسالت کا اقرار کر کے اسلام میں داخل ہو جائے تو اس کی جان ومال محفوظ ہو جاتے ہیں اور اس سے اب قتال جائز نہیں۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کا استدلال اس حدیث میں **الا بحقها** کے لفظ سے ہے، یعنی جہاں خود اسلام نے قتال کا قانونی حق دیا ہے، وہاں قتال جائز ہے اور یہ عام حکم سے استثنا ہے۔ کیونکہ نماز اور زکوٰۃ دونوں فرض ہیں اور دونوں کی ادائیگی کی صورت میں حکم یہ ہے: فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ (التوبہ ۹:۱۱) (اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں)۔(۱)

اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ کسی ایک فرض کے انکار کی صورت میں بھی آدمی کا قتل جائز ہو جاتا ہے اور اس سے جنگ کرنا درست اور لازم ہے، کیونکہ اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز کا انکار کر دے تو یہ ارتداد ہے، اس لیے زکوٰۃ سے انکار بھی ارتداد ہی ہوگا۔

حضرت ابوبکرؓ کے اس موقف سے دیگر تمام صحابہ کرامؓ نے اتفاق کیا کہ مانعین زکوٰۃ مرتد ہیں اور ان سے اسی طرح قتال واجب ہے جس طرح مکمل مرتد ہونے کی صورت میں قتال واجب ہے۔ اس طرح اختلاف بھی ختم ہو گیا اور ارکان اسلام ایک ایک کر کے ٹوٹنے سے محفوظ ہو گئے۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق اور حضرت عمرؓ فاروق فقہی جزئیات میں اختلاف

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان بہت سے امور میں الگ الگ فقہی رائے رہی جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ **مفتوحہ زمینوں کی تقسیم:** حضرت ابوبکرؓ کا موقف یہ تھا کہ مفتوحہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم کی جائیں جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کے دور میں طریقہ تھا، البتہ حضرت عمرؓ نے عراق کی فتح کے بعد یہ

(۱) فتح الباری ۳: ۲۶۲، ۳۲۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۱ء؛ البدایۃ والنہایۃ ۳: ۳۱۵-۳۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۵ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موقف اختیار کیا کہ یہ زمین مجاہدین میں تقسیم نہیں کی جائے گی، بلکہ وقف ہوگی۔ اس طرح مقامی باشندوں اور سرحدوں پر موجود مجاہدین کی ضروریات اس وقف زمین سے پوری کی جائیں گی۔(۱)

۲۔ وظائف کی تقسیم: حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں تمام مسلمانوں کو بیت المال سے برابر وظیفہ ملتا تھا۔ کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اسلام میں سبقت اور دینی خدمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظائف میں کمی بیشی کی۔ اس طرح اس مسئلے میں بھی دونوں خلفا کا طرز عمل الگ الگ رہا۔(۲)

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا بعض مسائل میں اختلافِ رائے

حضرت عبداللہؓ بن مسعود صحابہ کرامؓ میں کتاب وسنت کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے جلیل القدر صحابی تھے۔ رسول اکرم ﷺ کا غیر معمولی قرب حاصل ہونے کی وجہ سے بعض صحابہ کرامؓ انہیں نبی اکرم ﷺ کے خاندان ہی کا ایک فرد شمار کرتے تھے۔(۳) حضرت عمرؓ بھی ایک جلیل القدر فقیہ تھے۔ اگرچہ بہت سے اجتہادی مسائل میں حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ کے درمیان اتفاق پایا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود بقول ابن قیمؒ تقریباً ایک سو فقہی مسائل میں اختلاف بھی رہا ہے(۴)۔ چند مثالیں یہ ہیں:

۱۔ عبداللہؓ بن مسعود نماز میں حالت رکوع میں دونوں ہاتھ گھٹنوں کے درمیان (تطبیق) رکھتے تھے

---

(۱) کتاب الخراج، قاضی ابو یوسف، ص۲۴، دار المعرفة، بیروت ۱۹۷۹ء

(۲) ایضاً، ص۴۲

(۳) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن مسعود ۴: ۱۹۱۰، رقم الحدیث ۲۴۶۰

(۴) أدب الاختلاف فی الإسلام، د۔طٰہٰ جابر فیاض العلوانی، ص۶۳-۶۴، المعهد العالمی للفکر الاسلامی، واشنگٹن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے سے منع کرتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے اور گھٹنوں کے درمیان ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

۲۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: اَنْتِ عَلَیَّ حَرَامٌ (تو مجھ پر حرام ہے) تو ان الفاظ سے حضرت عمرؓ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہو جاتی ہے، جبکہ ابن مسعودؓ کے نزدیک یہ یمین (قسم) ہے اور قسم توڑنے کی صورت میں قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

۳۔ اگر کوئی شخص بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے دے، پھر عدت کے بعد وہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لے، تو آیا اس نکاح کی وجہ سے پہلی ایک یا دو طلاقیں کالعدم ہو جائیں گی، یا وہ طلاقیں اسی طرح برقرار رہیں گی؟ اس مسئلے میں ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کا موقف یہ ہے کہ نکاح ثانی پہلے شوہر کی ایک یا دو طلاقوں کو ختم کر دیتا ہے، یعنی اسے مکمل تین طلاقوں کا اختیار ہوتا ہے، جبکہ حضرت عمرؓ کا موقف یہ ہے کہ دوسرے شوہر کو بقیہ طلاقوں کا اختیار ہوگا، مکمل تین طلاقوں کا اختیار نہیں ہوگا۔

رائے اور نقطۂ نظر کے اس اختلاف کے باوجود حضرت عمرؓ اور عبداللہؓ بن مسعود کے درمیان عقیدت ومحبت کا گہرا رشتہ قائم رہا۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ تشریف فرما تھے، حضرت عمرؓ نے ابن مسعودؓ کو آتے دیکھا تو فرمایا: کنیفٌ ملیءٌ فقهًا أو علمًا (علم اور فقہ سے بھرا ہوا برتن ہے)۔ ایک دوسری روایت میں ہے: کنیف ملیء علمًا آثرتُ به اهلَ القادسیة (علم سے بھرا ہوا برتن ہے، میں نے ابن مسعود کو قادسیہ والوں کے پاس بھیج کر انہیں ترجیح دی ہے)۔

عبداللہؓ بن مسعود کے پاس دو افراد آئے۔ ایک نے حضرت عمرؓ سے قرآن مجید پڑھا تھا، دوسرے نے کسی اور صحابی سے۔ جس نے حضرت عمرؓ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی اس نے کہا: میں نے حضرت عمرؓ سے قرآن سیکھا ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود یہ بات سن کر اتنا روئے کہ آنسوؤں سے وہ جگہ تر ہوگئی۔ فرمانے لگے: ''جس طرح تمہیں حضرت عمرؓ نے پڑھایا ہے، اسی طرح پڑھو۔ وہ اسلام کا مضبوط قلعہ تھے۔ جس میں لوگ داخل ہوتے تھے لیکن نکلتے نہیں تھے، جب حضرت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمرؓ رتبہ شہادت پر فائز ہو گئے اور اس دار فانی سے کوچ کر گئے تو اس قلعہ میں شگاف پڑ گیا"۔(۱)

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود میں سو سے زائد فقہی و اجتہادی مسائل میں اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے لیے جو اخلاص ومحبت کے جذبات اور اخوت کا تعلق تھا، اس کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔ وجہ یہ ہے کہ یہ اختلاف کسی تعصب، ذاتی مفاد، دنیا پرستی اور بغض کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ اخلاص، للّٰہیت، خدا پرستی اور طلب حق پر مبنی تھا۔ آج بھی ہر قسم کے اختلافات کے باوجود اس قسم کا مثالی تعلق اور اخوت ومحبت دیکھنے کو مل سکتی ہے، بشرطیکہ یہ اختلاف نیک نیتی، اخلاص اور خدمت دین کے جذبے سے ہو۔

فقہی اختلافات میں صحابہؓ کا طرز عمل

کبار صحابہ کرامؓ کے عہد میں بالخصوص اور دورِ صحابہؓ میں بالعموم فقہی اختلاف کا دائرہ بہت محدود رہا ہے، کیونکہ تمدنی ضروریات کم تھیں اور سادہ زندگی کی وجہ سے مسائل اتنے زیادہ نہیں تھے۔ مزید یہ کہ صحابہ کرامؓ بالخصوص خلفائے راشدینؓ نے پیش آمدہ مسائل میں مشاورت کا اسلوب اپنایا جس کی وجہ سے کسی صحابی سے کوئی ایک نص (صریح حکم) مل جاتی اور کسی سے کوئی دوسری، اس طرح عموماً نئے مسائل کا حل بھی کتاب وسنت کے صریح احکام کی روشنی میں مل جاتا۔ اس کے باوجود اگر کوئی مسئلہ حل طلب رہتا تو صحابہ کرامؓ اجتہاد سے اس کا حل تلاش کر لیتے اور کبھی کبھار اس میں مختلف آرا بھی سامنے آتیں، جیسا کہ مذکورہ مثالوں سے واضح ہو چکا ہے۔ پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے صحابہ کرامؓ کا جو طرز عمل تھا اسے درج ذیل نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ صحابہ کرامؓ کی بالعموم کوشش یہ ہوتی کہ پیش آمدہ مسائل کا حل اتفاق رائے سے تلاش کر لیا جائے اور اختلاف ختم ہو جائے۔

۲۔ اگر کسی صحابی کا اجتہاد یا رائے اس وجہ سے مختلف ہوتی کہ اس کے پاس وہ حدیث نہیں پہنچ سکی ہے، جو دوسرے صحابہ کرام کے علم میں تھی، یا کسی آیت یا حدیث کے مفہوم کو سمجھنے میں اختلاف پیدا

(۱) ایضاً، ص ۶۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا ہو، یا مشترک الفاظ کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا ہو، یا مقاصد شریعت کے فہم میں اختلاف ہو، تو ان تمام صورتوں میں جب بھی حق واضح ہو جاتا، یعنی حدیث کا علم ہو جاتا، یا شارع کا حقیقی منشا معلوم ہو جاتا تو صحابہ کرامؓ اپنی رائے سے رجوع کر لیتے اور حق کی پیروی کرتے۔

۳۔ صحابہ کرامؓ کے نزدیک اسلام کا سب سے اہم اصول اور اسلامی معاشرے کی اساس اسلامی اخوت تھی، اسے اجتہادی اور فقہی مسائل سے بہر صورت فوقیت اور برتری حاصل رہی ہے۔

۴۔ عہد صحابہؓ میں عقائد کا اختلاف نہیں تھا، بلکہ فقہی اور جزئی مسائل کا اختلاف تھا۔

۵۔ فقہا صحابہ کی حیثیت معروف ومسلم تھی اور دیگر صحابہ کرامؓ پیش آمدہ مسائل میں انہی کی طرف رجوع کرتے تھے، اس لیے ان کی فقہی واجتہادی آرا کو قبول عام حاصل ہو جاتا اور بہت کم ان سے اختلاف کیا جاتا۔

۶۔ عناد، علمی برتری اور خواہش نفس کی پیروی کے بجائے للّٰہیت اور اخلاص کے ساتھ حق اور سچائی کی اتباع کی جاتی۔ اس لیے یہ اختلافات کبھی باہمی اخوت ومحبت اور وحدت میں رکاوٹ نہیں بنے۔

(ج) عہد تابعینؒ وتبع تابعینؒ

حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہ کرامؓ کا مرکز مدینہ منورہ تھا، اگرچہ جہادی، تعلیمی اور دعوتی مقاصد کے لیے صحابہ کرامؓ مختلف ملکوں میں جاتے، لیکن مستقل سکونت مدینہ منورہ ہی میں رہتی۔ یہ حضرت عمرؓ کی حکمت عملی تھی، کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ کبار صحابہ کرامؓ دار الخلافہ میں رہیں، تاکہ مشاورت اور معاونت کے حصول میں سہولت رہے۔ بعد میں جب حضرت عثمانؓ نے مختلف مفتوحہ علاقوں اور شہروں میں سکونت کی اجازت دے دی تو صحابہ کرامؓ ان میں پھیل گئے۔ تین سو سے زائد صحابہ کرامؓ نے تو صرف بصرہ اور کوفہ میں سکونت اختیار کی، کچھ مصر، شام اور دیگر علاقوں میں چلے گئے۔ جہاں کبار صحابہ کرامؓ پہنچے وہاں تعلیمی مراکز بھی قائم ہوئے اور بعد میں وہی مستقل فقہی رجحان کے نمائندہ مراکز میں تبدیل ہو گئے۔

چونکہ فقہا صحابہ کرامؓ میں بعض اجتہادی اور جزئی مسائل میں اختلافات تھے، پھر یہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مختلف فقہی آرا تابعین تک پہنچیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''اس طرح صحابہ کرامؓ میں مختلف فقہی مذاہب پیدا ہوئے، اور یہی اختلافات وراثتاً تابعین تک پہنچے، ہر تابعی کو جو کچھ مل سکا، اسی کو اس نے اپنالیا اور رسول اکرمؐ کی جو احادیث اور صحابہؓ کے جو مذاہب اس نے سنے، انہیں محفوظ اور ذہن نشین کر لیا۔ صحابہ کرامؓ کے جو مختلف اقوال سامنے آئے، ان میں اپنے فہم کی حد تک مطابقت پیدا کی، اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح بھی دی۔

اس ضمن میں ایسا بھی ہوا کہ بعض اقوال ان کی نگاہوں میں بالکل ہی ناقابل اعتنا ہو کر رہ گئے، اگرچہ وہ صف اول کے صحابہ سے مروی تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ اور عبداللہؓ بن مسعود کا یہ قول کہ جنابت کے لیے تیمم (جائز) نہیں ہے، تابعین تک پہنچا، مگر حضرت عمارؓ اور عمران بن حصینؓ سے منقول معروف احادیث کی وجہ سے یہ قول قبولیت حاصل نہیں کر سکا۔

اس طرح قدرتی طور پر علمائے تابعین میں سے مختلف فقہی نقطہ ہائے نظر وجود میں آ گئے اور مختلف شہروں میں اس بنا پر فقہی مراکز قائم ہو گئے۔

مدینہ منورہ میں سعیدؒ بن مسیب اور سالمؒ بن عبداللہ عوام کے مرجع وامام بن گئے، پھر ان کے بعد امام زہریؒ، قاضی یحییٰ بن سعیدؒ اور ربیعہ بن عبدالرحمٰنؒ نے یہ حیثیت حاصل کی۔ مکہ مکرمہ میں عطاءؒ بن ابی رباح کو یہ مقام حاصل ہوا۔ کوفہ میں ابراہیم نخعیؒ اور شعبیؒ نے مسند امامت سنبھالی۔ یمن میں حسن بصریؒ، طاؤس بن کیسانؒ اور شام میں مکحولؒ پیشوائے دین اور ترجمان شرع متین تسلیم کیے گئے۔ (۱)

(۱) اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ ۲۸-۲۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تابعین میں اختلافِ رائے کی چند مثالیں

عورت کی انگلیوں کی دیت: امام مالکؒ نقل کرتے ہیں کہ مدینہ کے معروف فقیہ ربیعہ بن عبدالرحمٰنؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سید التابعین سعید بن مسیبؒ سے پوچھا: عورت کی انگلی کی دیت کتنی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: دس اونٹ۔ میں نے پوچھا: دو انگلیوں کی کتنی دیت ہے؟ انہوں نے بتایا: بیس اونٹ۔ میں نے پھر پوچھا: تین انگلیوں کی کتنی دیت ہے؟ انہوں نے فرمایا: تیس اونٹ۔ میں نے پوچھا: چار انگلیوں کی دیت کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: بیس اونٹ۔ میں نے سعید بن مسیبؒ سے کہا: جب زخم بڑھ گیا اور مصیبت زیادہ ہوگئی تو دیت کم ہو گئی ہے؟ سعیدؒ بن مسیب نے پوچھا کہ کیا تم عراقی ہو؟ ربیعہؒ بن عبدالرحمٰن نے جواب دیا: بل عالمٌ متثبّتٌ او جاهلٌ متعلّمٌ (بلکہ تحقیق کا طالب عالم ایک ہوں یا بے علم ہوں اور علم کی طلب میں نکلا ہوں) تو سعیدؒ بن مسیب نے فرمایا: هِيَ السُّنَّةُ يا ابْنَ أَخِي (بھتیجے یہی سنت ہے)۔ کسی فقیہ نے دوسرے کو جہالت یا سنت کی خلاف ورزی کا الزام نہیں دیا اور معاملہ یہیں ختم ہوگیا۔

اہل حجاز کا موقف یہ ہے کہ عورت کی دیت ایک تہائی تک مرد کی دیت کے برابر ہے۔ ایک تہائی سے زیادہ کی صورت میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہوگی۔

دلیل: حجازی فقہا کی دلیل عمروؓ بن شعیب کی یہ حدیث ہے: عَقْلُ الْمَرْأَةِ مِثْلُ عَقْلِ الرَّجُلِ حَتّٰى تَبْلُغَ الثُّلُثَ مِنْ دِيَتِهَا (عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے، یہاں تک کہ عورت کی دیت ایک تہائی تک پہنچ جائے)۔

رفع یدین کا مسئلہ: امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کی مکہ مکرمہ میں ملاقات ہوئی۔ رفع یدین کے مسئلے میں دونوں میں جو مباحثہ ہوا وہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

امام اوزاعیؒ: رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت آپ ہاتھ کیوں نہیں اٹھاتے، یعنی رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابوحنیفہؒ: اس بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔

امام اوزاعیؒ: یہ کیسے ہوسکتا ہے! مجھے امام زہریؒ نے سالمؒ سے اور انہوں نے اپنے والد (عبداللہ بن عمرؓ) سے یہ حدیث بیان کی ہے: عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انّه کانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصلوٰةَ و عِنْدَ الرُّکُوعِ و عندَالرَّفْعِ عنه (رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نماز شروع کرتے وقت، رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے)۔

امام ابوحنیفہ: ہمیں حمادؒ نے ابراہیمؒ سے، انہوں نے علقمہؒ اور اسودؒ سے بیان کیا ہے، وہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں: أن رسولَ اللّٰه صلی الله علیه وسلم لَایَرْفَعُ یَدَیْهِ اِلَّا عندَ افْتِتَاحِ الصّلٰوةِ ولا یَعُوْدُ لِشَیْءٍ من ذالك (رسول اکرم ﷺ صرف نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھایا کرتے تھے، اور اس کے بعد اس طرح کا کوئی عمل نہیں کرتے تھے)۔

امام اوزاعیؒ: میں آپ کو ''زهری عن سالمؒ عن ابیه'' کی سند سے روایت کرتا ہوں اور آپ مجھے ''حماد عن ابراهیم'' کی سند سے بیان کررہے ہیں؟

امام ابوحنیفہؒ: حمادؒ زہریؒ سے بڑے فقیہ ہیں، ابراہیمؒ سالمؒ سے بڑھ کر ہیں اور علقمہؒ حضرت عبداللہؓ بن عمر سے کم نہیں، گوکہ عبداللہ بن عمر کو شرف صحابیت حاصل ہے لیکن اسود کو بڑی فضیلت حاصل ہے۔ رہے عبداللہؓ بن مسعود، تو ان کا کیا پوچھنا! اس پر امام اوزاعیؒ خاموش ہوگئے۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

> سعید بن مسیبؒ اور ابراہیم نخعیؒ وغیرہ نے باقاعدہ فقہ کے تمام ابواب جمع کیے۔ ہر باب میں وہ اپنے کچھ اصول رکھتے تھے جن کو انہوں نے سلف سے حاصل کیا تھا۔ سعید بن مسیبؒ اور ان کے تلامذہ اس امر کے قائل تھے کہ حرمین کے باشندے تفقہ میں سب سے بلند مقام رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے مذہب کی بنیاد حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے فتاویٰ اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احکام پر ہے، یا پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے فتووں اور قضاۃِ مدینہ کے فیصلوں پر ہے۔ چنانچہ جہاں تک اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق عطا فرمائی، انہوں نے ان احکام اور فتاویٰ کو جمع کیا۔ پھر ان پر بصیرت اور تحقیق کی نگاہ ڈال کر ان کا جائزہ لیا، جس شے پر علمائے مدینہ کا اتفاق نظر آیا اس پر تو پوری مضبوطی سے جم گئے، اور جس چیز میں ان کا اختلاف دکھائی دیا اس کے بارے میں انہوں نے اس رائے کو اختیار کیا جو کسی بھی وجہ سے ان کے نزدیک زیادہ مضبوط اور قابل ترجیح تھی، خواہ اس وجہ سے کہ اکثر علما نے اسی کو اختیار کیا ہے، یا اس بنا پر کہ وہ کسی مضبوط قیاس کے، یا کتاب وسنت کے کسی صریح استنباط کے موافق پڑتی ہے، یا کسی اور بنا پر۔ پھر جب ان لوگوں کو علمائے مدینہ سے حاصل کیے ہوئے مجموعہ فتاویٰ میں کسی مسئلے کا جواب نہ ملتا تو ان کے اقوال سے استنباط کرتے اور ان اقوال کے اشارات اور مقتضیات کا سراغ لگاتے۔ اس طرح ان کے ہاں ہر ہر باب کے متعلق مسائل کا انبار لگ گیا۔

ابراہیم نخعیؒ اور ان کے تلامذہ کا خیال یہ تھا کہ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے فیض یافتگان فقاہت میں سب سے ممتاز ہیں۔ چنانچہ علقمہ نے مسروق سے کہا تھا: ''کیا کوئی صحابی عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی بڑا فقیہ ہے''؟ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ نے امام اوزاعیؒ سے فرمایا: ''ابراہیم نخعی، سالم بن عبداللہ سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر عبداللہ بن عمرؓ کو صحابیت کا شرف حاصل نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ علقمہ ان سے زیادہ فقیہ ہیں۔ رہے عبداللہ بن مسعودؓ، تو وہ عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، ان کا کیا پوچھنا۔'' ان حضرات کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہی مسلک کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، اور حضرت علیؓ کے فتووں اور فیصلوں پر، نیز قاضی شُریح اور قضاۃ کوفہ کے فیصلوں پر ہے۔ ابراہیم نخعی نے اپنے مقدور بھر ان احکام وفتاویٰ کو اکٹھا کیا اور ان کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کیا جو سعید بن مسیبؒ وغیرہ نے علمائے مدینہ کے آثار واقوال کے متعلق اختیار کیا تھا، نیز اس ذخیرے سے ان لوگوں نے مزید مسائل کی تخریج بھی اسی طرح کی جس طرح انہوں نے کی تھی۔ انجام کار ان کے پاس بھی فقہ کے ایک ایک باب میں بے شمار مسائل منضبط ہو گئے۔

سعید بن مسیبؒ فقہائے مدینہ کے ترجمان تھے، اور ان کے درمیان حضرت عمرؓ کے فیصلوں اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایتوں کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہ تھا۔ اسی طرح ابراہیم نخعیؒ فقہائے کوفہ کے ترجمان تھے۔ جب یہ دونوں حضرات کسی کی طرف منسوب کیے بغیر کوئی مسئلہ بیان کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ فی الواقع وہ مسئلہ کسی کی طرف منسوب نہیں اور یہ ان کا اپنا ہی اجتہاد ہے، بلکہ ایسے مسائل بالعموم کسی نہ کسی سابق فقیہ سے اشارتاً یا صراحتاً ضرور منسوب ہوتے ہیں۔ بالآخر یہ دونوں اپنے اپنے قرب وجوار کے فقہا کا مرکز بن گئے، جنہوں نے ان سے فقہ کا علم حاصل کیا۔ اس میں تفکر وتدبر سے کام کیا اور اس سے مزید مسائل اور جزئیات نکالے۔(۱)

(۱) اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، ص ۲۹۔۳۱، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۲

ائمہ مجتہدین کے فقہی اختلافات

ائمہ مجتہدین کے فقہی اختلافات کی حقیقت جاننے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان فقہی مذاہب کا مختصر تعارف پیش کیا جائے اور ہر فقہی مذہب کے اصول اجتہاد ذکر کیے جائیں۔

فقہی مذاہب کا ظہور

وہ فقہی مذاہب جو عہد صحابہ و تابعین کے بعد ظہور پذیر ہوئے ان میں سے ابتداءً تیرہ فقہی مذاہب کا ظہور ہوا مگر رفتہ رفتہ ان میں سے بعض مذاہب یا تو دوسروں میں ضم ہو گئے یا دوسرے مذاہب کی جامعیت کی وجہ سے ان کی ضرورت باقی نہ رہی اور وہ خود بخود ختم ہو گئے۔ چند مشہور ائمہ مجتہدین کا تعارف اور ان کے اصول اجتہاد درج ذیل ہیں:

امام حسن بصریؒ اور ان کے اصولِ اجتہاد

امام حسن بصریؒ (۲۱ھ - ۱۱۰ھ) سید التابعین ہیں۔ تابعین کا دور اس لحاظ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے کہ ایک طرف اس کا تعلق صحابہ کرامؓ سے تھا اور دوسری طرف اس دور میں امت مسلمہ اکناف عالم تک پھیل رہی تھی۔ اسلامی تہذیب عروج پر تھی اور مختلف اقوام کے حلقہ بگوش اسلام ہونے پر زندگی کے نئے نئے مسائل ابھر رہے تھے جو علمائے امت کے لیے اجتہاد کے نئے دروازے کھول رہے تھے۔ اس لحاظ سے تابعین کے دور میں بے شمار پیچیدہ مسائل ابھر کر سامنے آئے۔ جن اہل علم نے اپنی خداداد بصیرت سے ان مسائل کو حل کیا ہے ان میں امام حسن بصریؒ پیش پیش نظر آتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام حسن بصریؒ کی ولادت سن ۲۱ ہجری اور وفات ۱۱۰ ہجری ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام خیرہ ہے جو حضرت ام سلمہؓ کی خادمہ تھیں۔ ام سلمہؓ انہیں حضرت عمرؓ کے پاس لے گئیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کے حق میں دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (۱) اے اللہ! اسے دین کا گہرا علم عطا فرما۔ آپ نے بہت سے صحابہ کرامؓ سے ملاقات کی ہے اور ان سے حضورؐ کی احادیث روایت کی ہیں۔ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ حسن بصریؒ نے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ کو دیکھا ہے اور حضرت اُبَیؓ بن کعب، حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت عمرؓ سے احادیث نقل کی ہیں (۲) تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ حسن بصری نے بہت سے دیگر صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام سے بھی احادیث نقل کی ہیں، البتہ تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ حسن بصریؒ ابن عباسؓ کے درس میں آتے جاتے تھے، تاہم ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی تردید کی ہے۔ بصرہ کی پہلی جلیل القدر شخصیت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی ہے جنہیں حضرت عمرؓ نے یہاں بھیجا تھا، انہوں نے بصرہ میں تعلیم دین کا جو پودا لگایا تھا وہ خوب پھلا پھولا۔ بصرہ کی دوسری شخصیت ابوموسیٰ اشعریؓ کے تلمیذ خاص عامر بن قیسؒ تھے جو زہد و عبادت اور تقویٰ میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے۔ حسن بصریؒ جس مدرسے کے بانی اور مؤسس تھے، وہ دراصل عامر بن قیسؒ کے مدرسے کا تسلسل تھا۔ اس مدرسے کو اس قدر شہرت حاصل ہوئی کہ دنیائے اسلام کے عرب اور غیر عرب علاقوں میں زہد و تصوف پھیلانے میں مصروف بہت سے لوگوں نے اس مدرسے اور اس کے شیخ کی طرف اپنے انتساب کا دعویٰ کیا۔

حسن بصری کے تلامذہ کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ انہوں نے بصرہ میں جس مدرسے کی ابتدا کی تھی اس سے بے شمار افراد زیور تعلیم سے آراستہ ہوئے۔ ان میں سے بہت سے حسن بصریؒ کے اصولوں پر قائم رہے اور بعض نے ان اصولوں سے کچھ اختلاف بھی کیا۔ پہلی صدی ہجری

(۱) طبقات الفقهاء، ابواسحاق شیرازی، ص ۹۱، دار القلم، بیروت

(۲) تهذيب التهذيب، ابن حجر، ۲: ۲۶۳، المكتبة الأثرية، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد اگلی تین صدیوں تک اس مدرسے کا تسلسل قائم رہا اور اس کے اثرات باقی رہے۔

معتزلہ کے سردار واصل بن عطا اور عمرو بن عبید، آزادی فکر کے علم بردار معبد جہنی اور غیلانی دمشقی بھی اس مدرسے کے تعلیم یافتہ تھے۔ اہل بصرہ کے سب سے بڑے حافظ الحدیث اور مفسر قتادہؒ کا تعلق بھی اسی مدرسے سے تھا۔ امام صاحب کے تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حسن بصریؒ ایک بہترین عالم، عظیم فقیہ، اعلیٰ درجے کے مربی اور عارف و مصلح تھے۔ بقول امام غزالیؒ: حسن بصریؒ کا کلام اور اندازِ بیان انبیا کے کلام اور اندازِ بیان سے زیادہ مشابہ تھا۔ ان کی رہنمائی کا اسلوب صحابہ کرامؓ جیسا تھا۔ وہ فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ ترین درجے پر تھے۔ ان کی زبان سے حکمت کے پھول جھڑتے تھے۔(۱)

اگرچہ امام حسن بصریؒ کی شہرت تفسیر، حدیث، زہد وتقویٰ میں سب سے زیادہ ہے، تاہم یہاں ان کے اصول اجتہاد اور فقہی احکام کی تخریج کا فہم اختصار سے بیان کیا جاتا ہے۔

مسائل کی تخریج وترجیح کے سلسلے میں حسن بصریؒ کا منہج واسلوب

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ حسن بصری کو اہل الرائے کے مکتب فکر میں شامل کیا گیا ہے جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حسن بصری نے بصرہ میں زندگی کا طویل عرصہ گزارا تھا۔ بصرہ بحث وجدال اور مختلف فرقوں کا مرکز تھا اور ہر شخص کی کوشش یہ تھی کہ وہ اپنے معتقدات اور اپنے مسلک کی صحت ثابت کرے۔ پہلی صدی ہجری میں دو فقہی اسلوب نمایاں ہو چکے تھے:

۱۔ ظاہری نصوص سے استدلال: اگر شارع کی طرف سے کسی حکم کے بارے میں نص موجود ہوتی تو اس حکم کی تطبیق اس کی اصل صورت میں کی جاتی اور اس کی حکمت یا علت سے بحث نہیں کی جاتی۔

۲۔ احکام کی علتوں اور ان کی تشریعی حکمتوں پر غور وفکر: اگر کسی نص میں کوئی حکم دیا گیا تو

(۱) احیاء علوم الدین، امام غزالی، ۱:۶۶، بیروت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقیہ اس کی علت اور اس کی تشریع کی حکمت تلاش کرتا۔ اس طرح نص کا دائرہ وسیع ہو جاتا اور نئے مسئلے کو مشترک علت کی بنا پر اس مسئلے سے ملحق کر دیا جاتا۔ یہ طریق کار قیاس کہلاتا ہے۔

نصوص کی عدم موجودگی میں مقاصد شریعت اور عمومی قوانین سے استدلال

امام حسن بصریؒ کے فقہی منہج کا مطالعہ کرنے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اگر کسی زیر بحث فقہی مسئلے میں انہیں کوئی منصوص اور صریح حکم نہ ملتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فقہی بصیرت، مقاصد شریعت اور شریعت کے عمومی قوانین سے کام لینے میں کسی قسم کا تردّد نہ کرتے۔ اس بنا پر بعض اہل علم نے انہیں اصحاب الرائے میں شمار کیا ہے۔ درج ذیل مسائل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے:(۱)

۱۔ امام صاحب نے بچی کے پیشاب کو بچے کے پیشاب پر قیاس کرتے ہوئے فتویٰ دیا تھا کہ دونوں کے پیشاب پر پانی چھڑکنے سے طہارت ہو جاتی ہے، حالانکہ انہیں ام سلمہؓ کی یہ روایت بھی پہنچی تھی کہ انہوں نے بچے کے پیشاب پر پانی بہایا تھا اور بچی کا پیشاب دھویا کرتی تھیں۔(۲)

۲۔ عرف کا اعتبار: حسن بصریؒ نے عرف کا بھی اعتبار کیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے مردوں کے لیے پانی سے استنجا مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ عرف یہ تھا کہ عورتیں استنجا کے لیے پانی استعمال کرتی تھیں اور مرد ڈھیلے استعمال کرتے تھے۔(۳)

حسن بصریؒ اس وقت قیاس کا سہارا لیتے جب کسی جزئی مسئلے کے بارے میں کوئی دلیل یا حکم نہ پاتے۔ جب ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے ان سے پوچھا: ''آپ کا کیا خیال ہے کہ آپ

(۱) امام حسن بصری اور ان کی تفسیری خدمات، تالیف: احمد اسماعیل البسیط، ترجمہ: عبدالقیوم، ص ۲۴۱-۲۴۳، ادارہ معارف اسلامی، اشاعت اول، ۱۹۹۴ء

(۲) صحیح مسلم شرح النووی، ۱: ۲۳۸، رقم الحدیث ۲۸۷، مکتبہ الغزالی، دمشق

(۳) المغنی، ابن قدامہ، ۱: ۲۰۸، ھجر للطباعۃ والنشر، قاہرہ، طبع دوم، ۱۹۹۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو جو فتویٰ دیتے ہیں اس کی بنیاد کسی ایسی بات پر ہوتی ہے جو آپ نے سنی ہو یا اپنی رائے سے کام لے کر ایسا کرتے ہیں؟'' تو انہوں نے جواب میں فرمایا: ''ایسی بات نہیں ہے، اللہ کی قسم! ہم جس چیز کا فتویٰ دیتے ہیں وہ ہماری سنی ہوئی بات ہوتی ہے، البتہ لوگوں کے لیے ہماری اپنی رائے دوسروں کی رائے سے بہتر ہے''۔(۱)

امام اوزاعیؒ اور ان کی فقہ

امام اوزاعیؒ (۸۸ھ-۱۵۷ھ) کا نام عبدالرحمٰن بن عمرو اور کنیت ابو عمر ہے۔ قبیلہ اوزاع کی طرف نسبت کی وجہ سے اوزاعی کے نام سے شہرت حاصل کی۔ ولادت ۸۸ھ میں مقام بعلبک میں ہوئی۔ امام اوزاعیؒ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ دمشق اور بیروت میں گزارا۔ اصحاب سِیَر نے ان کے حالات زندگی پر بہت کم روشنی ڈالی ہے۔(۲)

امام اوزاعیؒ اپنے دور میں شام کے امام تھے۔ معروف محدث عبدالرحمٰن بن مہدیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ما كان بالشام ، أعلم بالسنة من الأوزاعي ''شام میں اوزاعی سے بڑھ کر سنت کا عالم کوئی نہیں تھا''۔ امام اوزاعی کے تلمیذ خاص ہقل بن زیاد کہتے ہیں کہ امام صاحب نے ستر ہزار مسائل کے جواب دیے ہیں۔(۳)

فقہ اوزاعی

ابتداءً بلاد مغرب اور اندلُس میں فقہ اوزاعی کے پیروکار موجود تھے لیکن فقہ حنفی و مالکی کی اشاعت کے بعد اس فقہ کے ماننے والے بتدریج ختم ہو گئے، چونکہ اس فقہی مکتب کی تدوین نہیں ہوسکی اس لیے اس کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔

(۱) طبقات، ابن سعد، ۷:۱۲، بحوالہ امام حسن بصری اور ان کی تفسیری خدمات، ص ۲۴۶

(۲) دائرة المعارف الاسلامية، ۳:۱۲۸، الاوزاعی، دار المعرفة، بیروت

(۳) طبقات الفقهاء، ابواسحاق شیرازی، ص ۷۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام اوزاعی سے معروف محدث عبداللہ بن مبارکؒ، ابواسحاق فرازیؒ، ہقل بن زیاد اور دیگر متعدد فقہاء محدثین نے علم حاصل کیا۔

سفیان ثوریؒ اور ان کا فقہی منہج واسلوب

سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفی (۹۶-۱۶۱ھ)، دوسری صدی ہجری کے معروف فقیہ، محدث اور زاہد ہیں۔ کوفہ میں ۹۶ یا ۹۷ ہجری میں ولادت ہوئی۔ حدیث کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ آپ کے والد بھی کوفہ کے اکابر علما میں شمار ہوتے تھے۔ آپ حکومتی مناصب سے فرار اختیار کرتے ہوئے یمن چلے گئے۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ اور پھر بصرہ تشریف لے گئے۔ جب وہاں کثرت سے علما وفقہا کا رجوع شروع ہوا تو اسے بھی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ (۱)

علمی مقام ومرتبہ

معروف محدث سفیان بن عُیَینہ کہتے ہیں: مـا رأیتُ رَجُلًا اَعْلَمَ بالحَلالِ والحرام من سفیانَ الثَّورِی "میں نے سفیان ثوری سے بڑھ کر حلال وحرام کا عالم کسی کو نہیں دیکھا"۔ امام احمد بن حنبلؒ نقل کرتے ہیں کہ امام اوزاعیؒ اور سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ کے ہاں تشریف لے گئے۔ جب واپس نکلے تو آپ نے فرمایا: اَکْثَرُ عِلْمًا من صاحِبِه ولا یَصْلُحُ للامامة والآخَرُ یَصْلُحُ لِلْاِمَامِ "ان میں سے ایک علم کے لحاظ سے دوسرے سے زیادہ ہے لیکن اس میں امامت کی صلاحیت نہیں جبکہ دوسرا امام بننے کا اہل ہے"۔ (۲)

---

(۱) دائرة المعارف الاسلامیة، ۱۱: ۴۵۰ سفیان الثوری۔

(۲) طبقات الفقهاء، ابواسحاق شیرازی، ص ۸۶۔ ایک دوسرے مقام پر الفاظ اس طرح نقل کیے گئے ہیں "والآخر یصلح للإمامة یعنی دوسرا امامت کا اہل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ امام اوزاعیؒ میں لوگوں کا مقتدا، رہنما اور قائد بننے کی صلاحیت ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

http//www.turkamaki.com/comarticle

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہی منہج واسلوب

امام سفیان ثوریؒ صاحبِ مذہب ہیں۔ ان کے مذہب کے پیروکار جو محدثین کے نقطۂ نظر اور اسلوب استنباط کی اتباع کرتے تھے۔ اہل بیت کی طرف میلان اور فقہائے عراق کی اکثر آرا میں فقہ زیدی سے مطابقت کی وجہ سے بعض مؤرخین نے امام صاحب کا شمار زیدیہ میں کیا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ امام سفیان ثوریؒ کی متعدد آرا فقہ زیدی کے مماثل ہیں۔(۱)

سفیان بن عُیَینہؒ

امام سفیان بن عیینہؒ (۱۰۷ھ۔۱۹۸) حافظ حدیث، فقیہ، مجتہد اور زاہد تھے۔ ۱۰۷ ہجری کو کوفہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر میں ہی والد کے ہمراہ مکہ مکرمہ چلے گئے۔ پھر علم کے حصول کے لیے مدینہ منورہ تشریف لے گئے جہاں معروف محدث عمرو بن دینارؒ اور ایوب سختیانیؒ سے فیض حاصل کیا۔ سولہ برس کی عمر میں کوفہ چلے گئے جہاں امام ابوحنیفہؒ کی علمی مجالس میں بھی شرکت فرماتے رہے۔(۲)

سفیان بن عیینہؒ کو کبار محدثین وفقہا سے شرف تلمذ حاصل ہے، مثلاً ابن شہاب زہریؒ، اعمشؒ، عمرو بن دینارؒ، ابوالزنادؒ وغیرہ۔ سفیان بن عُیَینہؒ کے بیان کے مطابق ان کی ملاقات چھیاسی تابعین سے ہوئی۔

امام صاحب کے تلامذہ میں امام شافعیؒ، شعبہ بن حجاجؒ، ابن جریجؒ، عبدالرزاق بن ہمامؒ اور یحییٰ بن اکثم القاضیؒ جیسے نامور محدثین، ائمہ اور جلیل القدر فقہا شامل ہیں۔

علمی مقام ومرتبہ

امام شافعیؒ، سفیان بن عیینہؒ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں: لولا مالكٌ

---

(۱) مزید تفصیل کے لیے فہرست، ابن ندیم ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

(۲) مسند الحُمیدی بحوالہ عصر التابعین، ص ۴۰۷-۴۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و سفیانُ بن عُیَیْنَةَ لذهَبَ علمُ الحِجَاز (۱) ''اگر امام مالکؒ اور سفیانؒ بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا''۔

فقہی منہج

سفیان بن عیینہؒ کا فقہی منہج اور اسلوب وہی ہے جو دیگر محدثین کا اسلوب اور منہج رہا ہے۔

داؤد بن علی الظاہریؒ اور مذہب ظاہری کی اساس

مذہب ظاہری کے بانی ابوسلیمان داؤد بن علی اصفہانی ظاہری (۲۰۲ھ-۲۷۰ھ) کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپؒ ابتداءً شافعی المسلک تھے، بعد میں مستقل مذہب کی بنیاد رکھی۔ آپ حافظ حدیث ہونے کے ساتھ فقیہ ومجتہد بھی تھے۔

مذہب ظاہری کی اساس

قرآن وسنت کے ظاہر پر اس وقت تک عمل کیا جائے گا جب تک کسی دلیل سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہاں ظاہر مفہوم کے علاوہ دوسرا کوئی مفہوم مراد لیا گیا ہے۔ ظاہریہ کے نزدیک صرف اجماع صحابہ حجت ہے۔ نص اور اجماع دونوں کی عدم موجودگی میں دلیلِ استصحاب یعنی اباحتِ اصلیہ پر عمل کرتے ہیں۔ اہل ظاہر کے نزدیک قیاس، استحسان اور سدالذرائع وغیرہ شرعی حجت نہیں ہیں۔ اجتہاد کے ذریعے نصوص کے اسباب وعلت تلاش کر کے حکم لگانا بھی درست نہیں ہے۔ مزید یہ کہ ان کے ہاں کسی کی تقلید بھی درست نہیں۔

داؤد ظاہری کے بعد اس مذہب کی ترویج واشاعت میں ابن حزمؒ (علی بن سعید بن حزم) اندلسی (۳۸۴-۴۵۶ھ) کا غیر معمولی کردار ہے۔ فقہ میں ان کی معروف کتاب المُحَلّٰی اور اصول فقہ میں الإحکام فی اصول الأحکام کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔

اس مذہب کی زیادہ اشاعت اندلس میں ہوئی۔ پانچویں صدی ہجری تک یہ کمزور پڑ

(۱) تاریخ بغداد، ۹:۱۷۹، بحوالہ عصر التابعین، ص۴۰۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا اور پیروکاروں کی تعداد کم ہوگئی۔ آٹھویں صدی ہجری میں مکمل طور پر ختم ہوگیا۔

بعض دوسرے فقہا و مجتہدین بھی ہیں، مثلاً اسحٰق بن راہویہ (م ۲۳۸ھ)، ابوثور (۲۴۰ھ) وغیرہ، لیکن ان کے فقہی مذاہب کو زیادہ قبولیت حاصل نہیں ہوسکی۔ البتہ جن مذاہب کو قبولیت عام حاصل ہوئی، جن کی تقلید کرنے والے دنیائے اسلام میں بے شمار ہیں، جن کی فقہ اور اصول فقہ کی بنیاد موجود ہے اور جن کی فقہی آرا کو پذیرائی ملی، وہ چار ائمہ مجتہدین ہیں: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ بن حنبل۔ یہاں ائمہ اربعہ کا تعارف اور اصول اجتہاد ذکر کیے جاتے ہیں۔

فقہ حنفی اور اس کے امتیازات

اس مذہب کے بانی امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ (۸۰-۱۵۰ھ) ہیں۔ عبداللہؓ بن مسعودؓ کے کوفہ میں قائم کردہ مدرسہ کے علمی وارث ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس عظیم درس گاہ کے اولین مؤسس اور جلیل القدر فقیہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھیجا تو وہاں کے لوگوں کو لکھا: میں نے تمہیں فوقیت دی، ورنہ عبداللہؓ بن مسعود کی مجھے ضرورت تھی۔ امام صاحب کے والد کی ملاقات حضرت علیؓ سے ہوئی ہے۔ ان کا خاندان فارسی النسل ہے۔

تابعی: ابوحنیفہؒ نے صحابہ کا زمانہ پایا اور اس بات کا اعتراف معروف ائمہ فن ابن حجر مکیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، ابن جوزیؒ، خطیب بغدادیؒ، ابن خلکانؒ کرتے ہیں۔ بقول ابن حجر مکی، انس بن مالک سے ملاقات ہوئی۔ ابن حجرؒ نے ان دس صحابہ کرام کے نام بھی ذکر کیے ہیں جو امام صاحب کی پیدائش کے وقت کوفہ میں تھے۔

تعلیم: ابتدائی طور پر علم الکلام کی طرف متوجہ ہوئے اور جلد ہی ایک کامیاب متکلم اور مناظر کے طور پر شہرت حاصل کی۔ لیکن جو شہرت فقہ اور اصول فقہ میں ہوئی وہ کسی اور کے حصے میں نہ آسکی۔ اہل الرائے کے نام سے مشہور ہوئے۔ علم الکلام میں آپ کی کتاب **الفقه الأكبر** مشہور ہے۔

اساتذہ: حافظ ذہبیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے اساتذہ کی تعداد ۲۹۰ ذکر کی ہے۔ بیس سال تک معروف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقیہ حمادؒ کے حلقہ درس سے وابستہ رہے۔ اساتذہ میں زیادہ نمایاں عطا بن ابی رباحؒ، نافعؒ، قتادہؒ، قاسم بن عبدالرحمٰنؒ اور حماد بن سلمانؒ ہیں۔

تدریس: حمادؒ کی وفات (۱۲۰ھ) کے بعد چالیس سال کی عمر میں مسند درس پر فائز ہوئے۔

غیر معمولی عزیمت: بنوامیہ اور بنوعباس کے دور میں قاضی القضاۃ کی مسند سے انکار کی وجہ سے آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ منصور نے قسم کھائی تھی کہ وہ ابوحنیفہؒ کو عہدہ قضا پر ضرور فائز کرے گا۔ امام ابوحنیفہؒ نے قسم اٹھائی کہ وہ اس عہدہ کو قبول نہیں کریں گے۔ اور کہا: هُوَ اَقْدَرُ مِنِّي عَلَى كَفَّارَةِ الْيَمِينِ (منصور قسم کا کفارہ ادا کرنے پر مجھ سے زیادہ قدرت رکھتا ہے۔) امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اتق اللّٰهَ ولَا تُشْرِكْ فِي اَمَانَتِكَ الاَمَنِ اتَّقِي اللّٰه، اِنّي لَا اَصْلُحُ لذالك فقالَ لَه منصورٌ: كَذَبْتَ، أنْتَ تَصْلُحُ، فقال أبو حنيفة: فقد حَكَمْتَ عَلَى نَفْسِكَ فَكَيْفَ يَحِلُّ لكَ أن تُوَلِّيَ قَاضِيًا على أمَانَتِكَ وَ هُوَ كَذَّابٌ'' اللہ سے ڈرو! اپنی امانت (عہدۂ قضا) میں صرف اسے شریک کرو جو تقویٰ اختیار کرتا ہو، (پھر عذر پیش کیا) میں قضا کا اہل نہیں ہوں۔ خلیفہ منصور نے کہا: آپ جھوٹ بولتے ہیں، آپ اس عہدے کے لیے موزوں ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا: آپ نے خود ہی اپنے خلاف فیصلہ کردیا، آپ کے لیے یہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ آپ عہدۂ قضا ایسے شخص کو سپرد کریں جو جھوٹا ہے''۔

امام ابوحنیفہؒ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر خلیفہ کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور اس نے آپ کو جیل بھجوادیا۔

فقہ حنفی کے اساطین: امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں بے شمار فقہا، حفاظ و محدثین اور ائمہ مجتہدین ہیں۔ ان میں چار تلامذہ ایسے ہیں جنہیں فقہ حنفی کے اساطین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امام ابویوسفؒ، امام محمد بن حسن شیبانیؒ، امام زفرؒ بن ہذیل اور حسن بن زیادؒ۔ ہر ایک کا فقہ حنفی کی ترویج واشاعت میں نمایاں مقام ہے لیکن جو شہرت امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے حاصل کی وہ کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آسکی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابوحنیفہ کے اصولِ اجتہاد اور طرزِ استنباط

۱۔ قرآن مجید

تمام ائمہ اور فقہا کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن مجید اسلامی قانون کا بنیادی سرچشمہ اور مصدر اوّل ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے اصول اجتہاد میں بھی قرآن مقدس کو یہی مقام حاصل ہے۔ فرماتے ہیں: آخذ بکتاب اللہ ''سب سے پہلے میں اللہ کی کتاب کو اختیار کرتا ہوں''۔ البتہ قرآن کے الفاظ و معانی سے استدلال، ان کی قوت دلالت اور اس کی تفسیر و تاویل، دفع تعارض اور تقیید و اطلاق کے لیے جو قواعد و ضوابط وضع کیے گئے ان کی تفصیلات میں امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ کا اختلاف ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ عام ہیں یا خاص، قطعی الدلالت ہیں یا ظنی الدلالت، ان کی دلالت تشریح کی محتاج ہے یا نہیں اور خبر واحد سے ان کی دلالت پر اضافہ درست ہے یا نہیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام جزئی تفصیلات اصول فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں قرآن کریم سے استدلال کا طریقہ وہی ہے جو باقی ائمہ کے ہاں ہے۔ سب سے پہلے قرآن مجید کی نصوص سے استدلال کیا جاتا ہے پھر ظاہر کو دیکھا جاتا ہے، پھر دلالت کو، یعنی نص اور ظاہر میں تعارض کی صورت میں نص کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، جبکہ ظاہر اور دلالت میں تعارض کی صورت میں ظاہر کو ترجیح دی جاتی ہے۔

۲۔ سنت رسول ﷺ

اس بات پر تمام علما کا اتفاق ہے کہ سنت قرآن مقدس کے بعد اسلامی قوانین کا دوسرا بڑا اساسی اور بنیادی ماخذ ہے۔ اس کی حجت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ سنت قرآن کی مؤید ہے۔ یہ اس کی توضیح و تشریح اور تفصیلات بتاتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سنت کی دو اقسام ہیں:

ا۔ سنن ہدیٰ: انہیں سنن مؤکدہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ شعائر دین میں سے ہیں اور ان سے دین کی تکمیل ہوتی ہے جیسے اذان، جماعت اور سنن مؤکدہ وغیرہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ سنن زوائد: اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات مبارکہ مراد لی جاتی ہیں، مثلاً کھانے پینے سونے کے معمولات وغیرہ۔ ان کے کرنے پر ثواب ہے، نہ کرنے پر گناہ نہیں ہے، البتہ بعض تفصیلات میں حنفیہ کا دیگر ائمہ سے اختلاف ہے۔ جس کی بنا پر بہت سے جزئی مسائل میں اختلاف نظر آتا ہے، مثلاً فقہائے حنفیہ کے ہاں حدیث مرسل حجت ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک صرف چند شرائط کے ساتھ قابل استدلال ہے۔ مثال کے طور پر احناف کے نزدیک نماز کی حالت میں قہقہہ لگا کر ہنسنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور ان کی دلیل ایک حدیث مرسل ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک حدیث مرسل حجت نہیں ہے اس لیے نماز کے اندر قہقہہ ناقض وضو نہیں ہے۔ اسی طرح نفلی روزہ توڑنے کی صورت میں احناف کے نزدیک قضا ہے اور جمہور فقہا کے نزدیک قضا نہیں ہے۔ اس اختلاف کی وجہ بھی حدیث مرسل ہے۔ اسی طرح یہ قاعدہ کہ جب خبر واحد کسی ایسے مسئلے کے خلاف ہو جس میں عموم بلوئ ہو (یعنی وہ بات عام لوگوں میں مشہور ہو اور ان کی عادت بن چکی ہو) یا راوی کے اپنے عمل کے خلاف ہو تو وہ حجت ہے یا نہیں۔ اس مسئلے میں فقہائے حنفیہ کا دوسرے ائمہ سے اختلاف ہے، اور اس اختلاف کی وجہ سے متعدد جزئی مسائل میں اختلاف پیدا ہوا ہے، مثلاً جہری نمازوں میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنے کے مسئلے میں اختلاف اور رکوع کے بعد رفع یدین میں اختلاف، اس اصول میں مختلف نقطۂ ہائے نظر کی بنا پر ہے۔

۳۔ اجماع: اجماع کی حجیت پر چاروں ائمہ کا اتفاق ہے۔ اجماع صحابہ کے حجت ہونے پر بھی اتفاق ہے۔ البتہ اجماع کی مختلف اقسام اور ان کی حجت میں اختلاف ہے، مثلاً اجماع سکوتی حنفی فقہا کے نزدیک اجماع تصور کیا جائے گا جبکہ امام شافعی اور بعض دیگر فقہا کے نزدیک حجت نہیں ہے، اسی طرح اہل مدینہ کا اجماع امام مالک کے نزدیک حجت ہے لیکن احناف کے نزدیک حجت نہیں۔ اس بنا پر بہت سے فروعی مسائل میں اختلاف ہوا۔ اس کی تفصیل فقہ مالکی کے ضمن میں ان شاء اللہ بیان کی جائے گی۔

۴۔ قول صحابی: امام ابوحنیفہ نے اپنے منہج اجتہاد کا ذکر جن الفاظ میں کیا ہے ان سے ظاہر ہوتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ان کے نزدیک قول صحابی حجت ہے۔ اگر کسی مسئلے میں صحابہ کرامؓ کے اقوال موجود ہوں تو ان میں سے کسی ایک قول کا انتخاب کرتے ہیں اور اس مسئلے میں اجتہاد نہیں کرتے۔ جب صحابی کا قول موجود نہ ہو تو پھر اجتہاد فرماتے اور تابعی کی تقلید نہیں کرتے۔ امام صاحب نے اپنے مسلک اجتہاد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: ''اگر قرآن وسنت میں مجھے کوئی مسئلہ نہیں ملتا تو میں اقوال صحابہ پر عمل کرتا ہوں جس کا قول چاہتا ہوں لے لیتا ہوں جس کا چاہتا ہوں ترک کر دیتا ہوں، البتہ ان کا قول چھوڑ کر کسی اور کا قول اختیار نہیں کرتا۔''

ایسا قول صحابی جو قیاس یا اجتہاد کے دائرے میں نہیں آتا اور اس کی علت کا ادراک نہ کیا جا سکتا ہو اس میں صحابی کی تقلید واجب ہے اور اس پر فقہائے حنفیہ کا اتفاق ہے۔ البتہ وہ قول صحابی جو قیاس کے دائرے میں آتا ہو اور جس میں اجتہاد کیا جا سکتا ہو اس کی حجیت میں حنفی علمائے اصول کا بھی اختلاف ہے۔

قول صحابی امام شافعی کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قول صحابی کو حجت ماننے اور نہ ماننے کے نتیجے میں ان ائمہ کے ہاں متعدد جزئیات میں مختلف آرا ملتی ہیں، مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے اور دلیل حضرت عائشہؓ کا قول ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مدت چار سال ہے اور دلیل یہ مشاہدہ ہے کہ بنو عجلان کی بعض خواتین کا حمل چار سال تک رہا ہے۔ اس طرح امام ابوحنیفہ کے نزدیک حیض کی کم از مدت تین دن ہے اور امام شافعی کے نزدیک ایک دن ایک رات ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل واثلہ بن اسقعؓ کا قول ہے۔

۵۔ قیاس: ائمہ اربعہ کے نزدیک قیاس حجت ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین نے قیاس کو بطور حجت تسلیم کیا ہے، مثلاً چاروں ائمہ کے نزدیک سونے چاندی کے برتنوں میں جیسے کھانا پینا جائز نہیں اسی طرح ان کا کوئی دوسرا استعمال بھی جائز نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ لیکن امام داؤد ظاہریؒ کے نزدیک سونے چاندی کے برتنوں میں صرف کھانا پینا جائز نہیں، ان کا دیگر امور میں استعمال درست ہے، کیونکہ حدیث میں صرف کھانے پینے کے لیے ان کے استعمال کی ممانعت ہے۔ وہ باقی چیزوں کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان پر قیاس نہیں کرتے۔ اہل ظواہر، بعض معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک قیاس حجت نہیں ہے۔

۶۔ استحسان: استحسان سے مراد کسی قوی دلیل کی بنیاد پر قیاس کو ترک کرنا یا جزئی مصلحت کو قیاس کلی کے مقابلے میں ترجیح دینا ہے۔ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ نے استحسان کو احکام کے استنباط میں شرعی حجت تسلیم کیا ہے، البتہ اسے مستقل دلیل کے طور پر اختیار کرنے اور وسعت دینے میں امام ابوحنیفہ، ان کے تلامذہ اور مالکی فقہا کو زیادہ شہرت حاصل ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک استحسان حجت اور شرعی دلیل نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''جس نے استحسان کیا اس نے خود دین گھڑ لیا''۔ استحسان کی حجیت میں اس اختلاف کی وجہ سے بہت سے مسائل میں فقہائے حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف ہے۔ استحسان کی متعدد اقسام ہیں، مثلاً استحسان بالنص، استحسان بالاجماع، استحسان بالعرف، استحسان بالضرورۃ، استحسان بالمصلحۃ وغیرہ۔ تفصیلات اصول فقہ کی کتب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

۷۔ عرف: عرف وہ عمل یا عقیدہ ہے جسے لوگ عقل و تجربہ کی بنیاد پر تواتر کے ساتھ کرتے ہوں اور اس کا فطری طور پر حق ہونا ان کے نزدیک مسلم ہو۔ عرف ایک وسیع تصور ہے اور یہ اس وقت حجت ہوتا ہے جب اس کے خلاف قرآن وسنت کی نص موجود نہ ہو، یہ غالب اور عام ہو اور قانون سازی کے وقت باقی ہو۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عرف، استنباط مسائل کے لیے ایک فقہی اصول کا درجہ رکھتا ہے یعنی جب کسی مسئلے میں قیاس واستحسان سے کام نہ چلتا ہو تو لوگوں کے تعامل کو دیکھا جاتا ہے اور اس کے مطابق فیصلہ دیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ عرف کے بدلنے سے احکام میں بھی تبدیلی آجاتی ہے، مثلاً تعلیم قرآن، اقامت اور اذان پر اجرت متقدمین فقہا کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے لیکن متاخرین نے اس کی اجازت دی ہے۔ عرف، اجتہاد واستنباط کے لیے ایک معاون اور موثر وسیلہ ہے جس سے قانون سازی اور احکام شریعت کی تعبیر وتشریح میں مدد ملتی ہے۔

فقہ حنفی کی معروف کتب

فقہ حنفی کی کتب شہرت اور مستند ہونے کے لحاظ سے تین طرح کی ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) کتب ظاہر الروایہ، (۲) کتب النوادر، (۳) کتب النوازل۔

۱۔ کتب ظاہر الروایہ: یہ فقہ حنفی کی سب سے زیادہ مستند اور اساسی کتب ہیں۔ امام محمدؒ نے ان کی تالیف کی ہے۔ یہ چھ کتابیں ہیں: السیر الصغیر، السیر الکبیر، الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، المبسوط، زیادات۔

۲۔ کتب النوادر: یہ دوسرے درجے کی کتابیں ہیں جن میں کیسانیات، ھارونیات، جرجانیات، رقیات، زیادۃ الزیادات، اور کتاب المخارج فی الحیل وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔ کتب النوازل: وہ کتب جن میں متاخرین فقہا کے فتاویٰ اور اجتہادی آرا نقل کی گئی ہیں مثلاً فتاویٰ قاضی خان وغیرہ۔

فقہ مالکی اور اس کی خصوصیات

۱۔ مالکی مذہب امام مالکؒ بن انس بن ابی عامر (۹۳ھ-۱۷۹ھ) کی طرف منسوب ہے۔ آپ کا لقب ''امام دار الہجرت'' ہے۔

تابعی: بدری صحابہ میں سے ابولبابہ بشر بن منذر سے آپ کی ملاقات ثابت ہے، اس کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ، ربیعؓ بنت معوذ سے ملاقات کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ البتہ آپ کی کسی صحابی سے روایت منقول نہیں ہے۔ آپ کے دادا ابو عامر کے بارے میں اختلاف ہے کہ صحابی ہیں یا تابعی۔ مؤرخین نے انہیں صحابی لکھا ہے۔ غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، البتہ محدثین یہ بات تسلیم نہیں کرتے۔ تابعی ہونے پر اتفاق ہے۔ اپنے قبیلے میں سب سے پہلے وہی اسلام لائے۔ آپ کا تعلق یمن کے آخری شاہی خاندان حمیر کی شاخ ''اصبح'' سے تھا۔

اساتذہ: امام مالکؒ کے اساتذہ کی تعداد ۹۰۰ ہے جن میں ۳۰۰ تابعین اور ۶۰۰ تبع تابعین ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کبار اساتذہ: امام جعفر صادقؒ، امام زہریؒ، ربیعۃ الرائے

تلامذہ: بے شمار فقہا، محدثین اور سلاطین نے آپ سے کسب فیض کیا جن میں امام محمد بن حسن شیبانیؒ اور امام شافعیؒ جیسے ائمہ مجتہدین اور اساطین امت بھی شامل ہیں۔

تصانیف

۱۔ مؤطا امام مالك

۲۔ رسالة في القدر والرد على القدرية

۳۔ تفسير لغريب القرآن

۴۔ حساب دوران الزمان

۵۔ رسالة في الأقضية

۶۔ رسالة في الفتوى

۷۔ رسالة في إجماع أهل المدينة

صاحب جرأت: آپ کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ آپ نے ہی جبری بیعت کے عدم جواز کا فتویٰ دیا۔ حاکم مدینہ جعفر بن سلیمان نے کوڑے لگوائے، تو آپ نے یہ کچھ بھی نہایت استقامت سے برداشت کیا۔ آپ کی زندگی عزت نفس، تقویٰ، جہاد، عبادت، حب رسول کے جذبے سے معمور ہے۔ درج ذیل واقعہ آپ کی عظمت کی واضح مثال ہے:

خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کی خدمت میں درخواست کی کہ اگر مناسب سمجھیں تو ہمارے ہاں تشریف لے آیا کریں اور ہمارے بچوں کو مؤطا پڑھا دیں۔

امام صاحب کا جواب بڑا بے مثال تھا۔ فرمایا:

أَعَزَّ اللّٰهُ الْأَمِيْرَ! إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْكُمْ خَرَجَ فَإِنْ عَزَّزْتُمُوهُ عَزَّ. وَإِنْ ذَلَّلْتُمُوهُ ذَلَّ وَالْعِلْمُ يُؤْتَى وَلَا يَأْتِي

(اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو عزت عطا کرے۔ یہ علم آپ کے پاس سے آیا ہے۔ اگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ اس کو قوت پہنچائیں گے تو یہ عزت پائے گا۔ اگر آپ نے اسے تابع کر دیا تو یہ ذلیل ہو جائے گا۔ علم کے حصول کے لیے آنا پڑتا ہے، علم کسی کے پاس جایا نہیں کرتا)۔

ہارون الرشید نے جواب دیا: صَدَقْتَ یا اَبَا عَبْدِاللہ! ثُمَّ قالَ لأولادِہ! اُخْرُجُوا إلی المسجدِ حتیٰ تَسْمَعُوا مَعَ النَّاس

(اے ابوعبداللہ! آپ نے سچ فرمایا۔ پھر اپنے لڑکوں سے کہا کہ مسجد میں جاؤ اور لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر [مؤطا کی] سماعت کرو)۔

مدینہ منورہ کی علمی اہمیت: مدینہ منورہ ۱۳ سال عہد نبوی اور ۲۵ سال خلافت راشدہ کا مرکز رہا، اکابر فقہا صحابہ بھی یہیں تھے۔ یہیں سے احکام وفتاویٰ باقی دنیا میں پھیلے۔

مدینہ منورہ کی درس گاہ: یہ مدرسہ حفاظ حدیث کا نمائندہ ہے۔ حضرت ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ جیسے صحابہ، امام شعبیؒ جیسے تابعین نیز قاسم بن محمد بن ابی بکر، عروہ، سعید بن مسیب، ربیعۃ الرائے، نافع اور زہری جیسے اکابر کے علمی ذخیرے کے امام مالکؒ وارث ہیں۔

مقام ومرتبہ: آپ کو تدوین حدیث میں سبقت کا اعزاز حاصل ہے آپ کی دونوں حیثیتیں مسلّم ہیں: آپ فقیہ بھی ہیں اور محدث بھی۔

اہل الرائے یا اہل الحدیث: جن حضرات نے ان کے فقہی مقام پر نظر رکھی انہوں نے امام مالک کو اہل الرائے میں شمار کیا، جبکہ جمہور انہیں محدثین ہی میں شمار کرتے ہیں۔

امام مالکؒ کے اصول اجتہاد

۱۔ کتاب اللہ: امام ابوحنیفہؒ کی طرح امام مالکؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ کتاب اللہ سب سے مقدم ہے۔ کتاب اللہ میں نص ظاہر پر مقدم ہے اور پھر دلالت ہے، یعنی نص کو ظاہر اور دلالت دونوں پر (بوقت تعارض) ترجیح حاصل ہوگی اور ظاہر و دلالت میں تعارض کی صورت میں ظاہر کو دلالت پر ترجیح حاصل ہوگی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ سنت رسول ﷺ: امام مالکؒ سنت کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔ انہیں اگر حدیث مرسل یا حدیث موقوف مل جائے تو بھی اجتہاد نہیں کرتے، بلکہ اس کو اپنے مسلک کی بنیاد بناتے ہیں۔

امام مالکؒ خبرِ واحد کو اس صورت میں قبول کرتے ہیں جب وہ عملِ اہل مدینہ کے خلاف نہ ہو۔ اگر کوئی خبر واحد اہل مدینہ کے عمل کے خلاف ہے تو وہ اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ وہ منسوخ ہو چکی ہے، کیونکہ اہل مدینہ سنت نبویؐ کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ اس اصولی اختلاف کی وجہ سے بعض جزئی مسائل میں اختلاف پیدا ہوا ہے، مثلاً مالکیہ کے نزدیک سبزیوں اور پھلوں کی زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ اہل مدینہ کا عمل اسی طرح ہے، جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زمین کی ہر قسم کی پیداوار بشمول پھل اور سبزیوں پر زکوٰۃ ہے۔ اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے: **فِيمَا سَقَتِ السماءُ والعيونُ او كان عثرِيًا العُشْرُ**(۱) ''وہ زمین جو بارش یا چشمے کے پانی سے سیراب ہوئی ہے اس میں کل پیداوار کا دسواں حصہ واجب ہے''۔

۳۔ اجماع اہل مدینہ: اجماع کے بارے میں امام مالکؒ نے عملِ اہل مدینہ کو مرکزی حیثیت دی ہے، باقی ائمہ اس کا اعتبار نہیں کرتے۔ اس اختلاف کی وجہ سے مالکی فقہا کا جمہور ائمہ سے متعدد مسائل میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔

امام مالکؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مدینہ منورہ دارالہجرت اور صحابہ کرامؓ کا مرکز رہا ہے، اس لیے اہل مدینہ وحی کے نزول اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے زیادہ باخبر تھے۔ اس لیے ان کا کسی بات پر اتفاق کر لینا ہمارے لیے حجت ہے، مثلاً امام مالکؒ کے نزدیک اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہے جاتے ہیں اور ذوی الارحام کا میراث میں حصہ نہیں ہے، جبکہ احناف کے نزدیک کلمات اقامت دو دو مرتبہ ہیں اور ورثا میں عصبہ اور ذوالفروض نہ ہوں تو ذوالارحام کو بھی میراث میں حصہ ملے گا۔ امام مالکؒ کا استدلال اجماع اہل مدینہ ہے۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب العشر فیما یسقی من السماء والماء الجاری (۱۰۲:۱)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ اپنی کتاب المؤطا میں مختلف مواقع پر جب یہ بات نقل کرتے ہیں کہ ھذا ھو الامرُ المُجْتَمَعُ علیه عندنا ''ہمارے ہاں یہ متفق علیہ معاملہ ہے'' تو اس سے اہل مدینہ کا اجماع مراد ہوتا ہے۔ اگر کسی مسئلے میں اہل مدینہ کا اختلاف ہو، یعنی مدینہ میں مقیم صحابہ و تابعین کی آرا کسی مسئلے میں مختلف ہوں تو امام مالک انہی آرا میں سے جسے قرآن وسنت سے قریب پاتے ہیں ترجیح دیتے ہیں۔

۴۔ قیاس: امام مالک جب کسی مسئلے میں قرآن وسنت سے کوئی نص نہ پاتے، نہ اس بارے میں اہل مدینہ کا اجماع ہوتا اور نہ کسی صحابی یا تابعی کا فتویٰ ملتا، تو پھر اپنی رائے سے اجتہاد کرتے۔ امام مالک نے اجتہاد بالرائے کے متعدد طریقے اختیار کیے۔ انہوں نے قیاس کو کثرت سے استعمال کیا اور اس کا دائرہ اس قدر وسیع کیا کہ وہ ان حدود و کفارات میں بھی قیاس کے قائل ہیں جن کے معنی اور علت سمجھ میں آتے ہوں جبکہ احناف حدود و کفارات میں قیاس کے قائل نہیں ہیں خواہ ان کے معانی و اسباب سمجھ میں آتے ہوں یا نہ آتے ہوں۔

۵۔ مصالح مرسلہ: مصالح مرسلہ امام مالکؒ کے نزدیک شریعت کا ایک اہم مصدر ہے۔ مالکی فقہا کو اس مصدر کے استعمال کے حوالے سے سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ شریعت کی اساس ہی مصلحت پر ہے۔ جن مصالح کا اعتبار شریعت نے کیا ہے اگر انہیں ملحوظ نہ رکھا جائے تو شریعت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، البتہ مصالح کے استعمال میں کچھ قیود اور شرائط بھی ہیں جنہیں اس مصدر کے طور پر استعمال میں ملحوظ رکھا جاتا ہے، مثلاً مصلحت شارع کے مقاصد سے ہم آہنگ ہو، قابل فہم ہو اور حقیقی مصلحت ہو، وغیرہ۔ باقی تینوں ائمہ مصالح مرسلہ کو مستقل مصدر کے طور پر اپنے اصول اجتہاد میں ذکر نہیں کرتے، تاہم تمام ائمہ مجتہدین کسی نہ کسی شکل میں مصالح مرسلہ پر عمل کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ مصالح مرسلہ کی مختلف صورتوں کو قیاس ہی شمار کرتے ہیں جبکہ فقہائے حنفیہ کے ہاں معمولی سے فرق کے ساتھ اس کے لیے دلیل استحسان کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اس طرح عملاً مصالح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرسلہ سے تمام ائمہ وفقہا استدلال کرتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ امام مالکؒ کے ہاں یہ مستقل دلیل ہے جبکہ باقی ائمہ کے ہاں دیگر ادلہ شرعیہ کے ضمن میں آ جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال فقہ مالکی میں یہ ذکر کی جاتی ہے کہ جب ایک فرد کے قتل میں متعدد افراد شریک ہوں تو قتل میں شریک تمام افراد سے قصاص لیا جائے گا۔

۶۔ **قول صحابی:** امام مالکؒ کے نزدیک قول صحابی حجت ہے۔ علامہ آمدیؒ بیان کرتے ہیں:

''اس بات پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ کسی ایک صحابی کا مذہب اجتہادی مسائل میں دوسرے صحابہ کے لیے حجت نہیں، البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ مذہب صحابی، تابعین اور بعد میں آنے والے مجتہدین کے لیے حجت ہے یا نہیں۔ امام مالکؒ، امام رازیؒ فقہائے حنفیہ میں سے امام برذعیؒ اور امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ قول صحابی حجت ہے اور قیاس پر مقدم ہے (۱) مثلاً مفقود الخبر (جو لاپتا ہو جائے) شخص کی بیوی کے بارے میں امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ وہ چار سال تک انتظار کرے۔ پھر چار ماہ دس دن تک عدت کے ایام گزارے، اس کے بعد وہ کسی شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ امام مالکؒ کے مذہب کی بنیاد حضرت عمرؓ کے قول پر ہے۔

۷۔ **عرف وعادت اور استصحاب:** امام مالکؒ نے استصحاب اور عرف وعادت کو بھی شرعی دلیل تسلیم کیا ہے۔ کسی معاملے میں نص نہ ہونے کی صورت میں لوگوں کے تعامل اور عرف کا اعتبار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک عرف کے ذریعے عام کی تخصیص اور مطلق کو مقید کرنا درست ہے، وہ احکام جو عرف وعادت پر مبنی ہیں، وہ عرف وعادت کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔ اس طرح فقہ مالکی میں اجتہاد بالرائے کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔

فقہ شافعی اور اس کی خصوصیات

فقہ شافعی کے بانی محمد بن ادریس شافعیؒ (۱۵۰ھ-۲۰۴ھ) فلسطین کے ایک علاقے غزہ

(۱) الاحکام فی اصول الاحکام، امام علی بن محمد آمدی، ۴:۱۵۵، دار الکتاب العربی، ۱۹۹۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں پیدا ہوئے۔ ہاشمی النسب ہیں۔ عبد مناف پر نسب رسول اکرم ﷺ سے ملتا ہے۔ والد کی وفات کے بعد دو سال کی عمر میں والدہ غزہ سے مکہ لے آئیں۔ بعض روایات میں دس سال کا ذکر بھی ہے۔

حفظ قرآن: سات برس میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ ۱۰ برس میں مؤطا کے بھی حافظ بن گئے۔ قریش کے لہجے اور فصاحت کے لیے بنوہذیل کے ہاں بادیہ نشینی بھی اختیار کی، تاکہ شہری زبان کی خرابیوں سے بچا جا سکے۔

اساتذہ: آپؒ نے مایہ ناز محدثین وفقہا سے علم حاصل کیا۔ مکہ مکرمہ میں مشہور محدث سفیان بن عُیَینہ کے پاس اور مدینہ منورہ میں امام مالک کے ہاں وفات تک رفاقت رہی۔ پھر امام محمدؒ کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ علاوہ ازیں فضیل بن عیاضؒ، مسلمہ بن خالد زنجیؒ، وکیع بن جراحؒ، یحییٰ بن سعید قطانؒ، حماد بن مسلمہؒ، عبداللہ بن مبارکؒ جیسے کبار فقہاء ومحدثین سے بھی استفادہ کیا۔

علوم میں مہارت: فقہ، لغت، شعر وادب، انساب، تفسیر، حدیث اور علم الکلام میں خوب مہارت تھی۔ جب امام مالکؒ کی نظرِ فراست امام شافعی پر پڑی تو فرمایا:

يا محمد! اتق الله واجْتَنِبِ المعاصي فانه سيكون لكَ شانٌ. اِنّ الله قدالقى على قلبك نوراً فلا تُطْفِئَه بالمعصية

(اے محمد! اللہ سے ڈرتے رہو اور گناہوں سے بچو۔ آپ کو ایک خاص مقام ومرتبہ حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل پر نور ڈال دیا ہے، اسے معصیت سے بجھا نہ دینا)۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ میں امام احمدؒ، امام داؤد ظاہریؒ، امام ابوثورؒ، امام ابن جریر طبریؒ جیسے علمی دنیا کے نامور فقہا اور صاحب مسلک مجتہدین شامل ہیں۔

ابتدائی مسلک: ابتداءً مقلد تھے اور مالکی مذہب کی پیروی کرتے تھے۔ آپ کی مجتہدانہ بصیرت اور وقیع فقہی آراء کو اس قدر قبول عام حاصل ہوا کہ آپ کی نسبت سے ایک مستقل فقہی مسلک وجود میں آ گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خصوصیات

۱۔ یہ حنفی اور مالکی مسلک کا درمیانی راستہ ہے، آپ کی فقہی آراء میں اہل الحدیث اور اہل الرائے دونوں کی خصوصیات یکجا ہیں۔

۲۔ امام شافعیؒ کو مسائل کے استنباط میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ لغت، تفسیر، حدیث اور کلام میں غیر معمولی مہارت کی وجہ سے آپ کی اجتہادی صلاحیتیں عروج پر تھیں۔

۳۔ آپ پہلے مجتہد وفقیہ ہیں جنہوں نے اصول فقہ کو منظم شکل دی، صحیح وغلط کا معیار قائم کیا، تفصیلی قواعد ترتیب دیے، ابواب وفصول قائم کیے اور مراتب کا تعین کیا۔

اصولِ اجتہاد

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے جن اصول اجتہاد واستنباط سے کام لیا ہے امام شافعیؒ نے بھی انہیں اختیار کیا ہے، البتہ امام شافعیؒ سے پہلے یہ اصول اور اساسی قواعد مہذب ومرتب صورت اور کتابی شکل میں مدون نہیں تھے۔ امام شافعیؒ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے انہیں مربوط اور منظم کیا۔ ابواب وفصول میں تقسیم کیا، ان کے مراتب کا تعین کیا اور کتابی شکل دی۔ بلاشبہ یہ اصول فقہ کی تدوین میں ایک عظیم کارنامہ ہے۔ امام شافعیؒ نے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانیؒ دونوں سے استفادہ کیا۔ دونوں اسالیب اجتہاد سے آگاہی حاصل کی اور ان کے جملہ کلیات وجزئیات کا مطالعہ کر کے از سر نو اصول وقواعد کو مرتب کیا۔ امام شافعیؒ کے اصول اجتہاد ان کی معروف کتب الرسالۃ اور الأم میں اس طرح بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ کتاب اللہ: قرآن حکیم قطعی حجت اور تمام شرعی احکام کا اساسی مصدر ہے۔ آپ نے استدلال میں وہی ترتیب ملحوظ رکھی ہے جو دیگر ائمہ کے ہاں معروف ہے۔ آپ کتاب اللہ کے ظاہری مفہوم کو اس وقت تک ترک نہیں کرتے جب تک کسی اور مفہوم پر مضبوط دلیل نہیں مل جاتی۔ بیان کی مختلف اقسام، خاص عام اور ناسخ منسوخ وغیرہ کے قواعد بڑی تفصیل سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الرسالۃ میں مل جاتے ہیں۔

۲۔ سنت رسولؐ: قرآن مقدس کے بعد بالاتفاق دوسرا مصدر قانون سنت رسول ہے۔ چونکہ حدیث کی صحت وثبوت اور اسناد کے لحاظ سے مجتہدین کی آرا میں جزوی اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اس لیے امام شافعی نے الرسالۃ میں اتباع سنت اور بالخصوص خبر واحد کی حجیت پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور مختلف روایات میں تطبیق اور رفع تعارض کے اصول بھی ذکر کیے ہیں۔ وہ ہمیشہ محتاط اور بلند پایہ اور متفق علیہ راویوں کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ حدیث کے ظاہری مفہوم کو کسی مضبوط دلیل کے بغیر ترک نہیں کرتے۔ صرف کبار تابعین کی مراسیل (مرسل حدیث) کو قبول کرتے ہیں۔ اگر کسی صحابی کا قول ظاہر حدیث کے خلاف ہو تو حدیث کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگر خبر واحد میں صحت کی جملہ شرائط موجود ہوں تو وہ اسے قبول کرتے وقت امام مالکؒ کی طرح عمل اہل مدینہ کے موافق ہونے کی شرط یا امام ابوحنیفہؒ کی طرح مفہوم کے مشہور ہونے کی شرط عائد نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک روایت کا صحیح اور متصل ہونا قبولیت کے لیے کافی ہے۔

۳۔ اجماع: اجماع قرآن وسنت کے بعد تیسرا مصدر تشریع ہے۔ امام شافعیؒ اجماع کی حجیت پر متعدد دلائل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **و نَعْلَمُ اَنَّ عَامَّتَهُم لا تَجْتَمِعُ على خِلَافٍ لِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰه ولا على خطأ انْ شاء الله** ''ہم یہ جانتے ہیں کہ عامۃ المسلمین سنت رسول کے خلاف کسی بات پر متفق نہیں ہو سکتے اور نہ ہی کسی غلط بات پر اتفاق کر سکتے ہیں، ان شاء اللہ'' البتہ اجماع کی شرائط، قیود وحدود اور اس کی مختلف اقسام کی حجیت میں دیگر ائمہ سے اختلاف بھی ہے، مثلاً امام شافعیؒ کے نزدیک اجماع کے لیے ضروری ہے کہ اس مسئلے میں اس دور کے فقہا میں سے کسی کے اختلاف کا ہمیں علم نہ ہو، یعنی جمہور فقہا کا اتفاق امام شافعی کے نزدیک اجماع نہیں ہے۔ اس طرح اجماع سکوتی جسے احناف حجت تصور کرتے ہیں، امام شافعی کے نزدیک حجت نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ صحابہ وتابعین نے جن امور پر اجماع کیا ہے وہ اصول، فرائض اور واجبات سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ اجماع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے۔ خبر واحد اجماع کے خلاف ہو تو امام شافعی اجماع کو خبر واحد پر ترجیح دیتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے اجماع کے لیے جو شرائط لگائی ہیں ان کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ کسی زمانے میں اس قسم کا اجماع ہو سکے، البتہ امام شافعی کا اپنا جو تصور اجماع ہے وہ مذکورہ عبارت سے واضح ہو جاتا ہے۔

۴۔ قیاس: جب کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع سے کسی پیش آمدہ مسئلے کا حل نہ ملتا ہو تو امام شافعیؒ قیاس کو اختیار کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے قیاس کی حدود اور تفصیلی قواعد وضوابط وضع کر کے اس کے غلط استعمال کے تمام دروازے بند کر دیے۔ فرماتے ہیں: قیاس دو طرح کا ہے: ایک صورت یہ ہے کوئی چیز (پیش آمدہ مسئلہ) اصل (منصوص حکم) کے معنی میں ہو، اس صورت میں قیاس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس پیش آمدہ مسئلے کے منصوص احکام میں نظائر موجود ہوں۔ اس صورت میں اس فرع کو زیادہ مشابہ اور قریب تر صورت سے ملائیں گے۔ قیاس کرنے والے اس نوع کے قیاس میں مختلف آرا رکھتے ہیں۔

۵۔ اجتہاد: امام شافعی نے قیاس کے بعد مستقل باب کے تحت اجتہاد کے جواز، حجیت، ضرورت اور طریقہ کار پر روشنی ڈالی ہے، اگرچہ آپ نے قیاس اور اجتہاد کو ایک ہی مفہوم میں لیا ہے۔ فرماتے ہیں: قال: فما القياس؟ أهو الاجتهاد، ام هما متفرقان؟ قلت: هما اسمان لمعنى واحد ''اس نے پوچھا کہ قیاس کیا ہے؟ آیا اجتہاد ہی کا نام ہے، یا یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں؟ میں نے کہا: یہ دونوں ایک ہی مفہوم کے دو نام ہیں''۔

وہ معروف اصولِ اجتہاد جن کا امام شافعیؒ اعتبار نہیں کرتے:

۱۔ استحسان: فقہائے حنفیہ کے ہاں دلیل استحسان کا بکثرت استعمال کیا جاتا ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک یہ شرعی حجت نہیں ہے؛ فرماتے ہیں: فهل تُجِيزُ أنْتَ ان يقول الرجل: اِسْتَحْسِن، بغير قياسٍ، فقلتُ: لايجوزُ هذا عندى ''کیا آپ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی شخص کہے: میں قیاس کے بغیر استحسان سے کام لیتا ہوں؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ میرے نزدیک جائز نہیں ہے"۔

۲۔ اجماع اہل مدینہ: امام مالکؒ اجماع اہل مدینہ کو شرعی دلیل اور تشریع کا مصدر تصور کرتے ہیں لیکن امام شافعی کے نزدیک اہل مدینہ کا اجماع حجت نہیں ہے۔ اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

۳۔ مصالح مرسلہ: امام شافعیؒ ایک محدود دائرے کے اندر مصالح مرسلہ سے استدلال کرتے ہیں۔ جب وہ اس مصلحت معتبرہ کے مشابہ ہو جو نص یا اجماع سے ثابت ہو۔ آپ اس کے علاوہ مصالح مرسلہ کا اعتبار نہیں کرتے۔

فقہ حنبلی اور اس کے اصولِ اجتہاد

فقہ حنبلی کے بانی امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴ھ-۲۴۱ھ) ہیں۔ آپ علوم وفنون کے مرکز بغداد میں پیدا ہوئے۔ قبیلہ بنو ذُہل سے تعلق ہے۔ حفظ قرآن کے بعد مروجہ علوم میں مہارت حاصل کی۔ ۱۸۶ھ تک بغداد میں رہے۔ ۱۸۷ھ میں امام شافعیؒ سے ملاقات ہوئی۔

اساتذہ وشیوخ: آپ کے اساتذہ میں سب سے نمایاں امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ، سفیان بن عیینہؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ اور عبدالرحمان بن مہدیؒ ہیں۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ میں کبار ائمہ محدثین وفقہا ہیں جن میں زیادہ معروف علی بن مدینیؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، ابوداؤدؒ، عبدالرزاقؒ، یحییٰ بن آدمؒ اور ابوزرعہ رازیؒ وغیرہ ہیں۔

امتیازی وصف: امام احمد بن حنبلؒ اتباع سنتِ رسول کے جذبے سے اس قدر سرشار تھے کہ آپ سنن الہدی اور سنن العادات میں بھی فرق نہیں کرتے تھے۔ امام شافعیؒ جب بغداد سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے اپنے اس مایہ ناز شاگرد رشید کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''میں بغداد سے اس حال میں رخصت ہو رہا ہوں کہ امام احمدؒ سے بڑھ کر یہاں کوئی بڑا فقیہ اور متقی نہیں ہے۔''

آپ دورِ ابتلا میں غیر معمولی استقامت، دینی حمیت اور جرأت کی ایسی نادر مثالیں چھوڑ گئے ہیں کہ قیامت تک ان کی اس عزیمت کو سلام پیش کیا جاتا رہے گا۔

محدث یا مجتہد: امام صاحب اجتہاد بالرائے سے حتی الامکان احتراز کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ابن جریرؒ، ابن قیمؒ اور بعض دیگر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ امام صاحب محدث ہیں فقیہ نہیں ہیں، جبکہ جمہور علما کے نزدیک مجتہد ہیں، البتہ حدیث میں اشتغال زیادہ رہا۔

شاہ ولی اللہؒ کا موقف یہ ہے کہ فقہ حنبلی کوئی مستقل مسلک نہیں ہے اسے فقہ شافعی میں شامل سمجھنا چاہیے۔ اس کی وہی حیثیت ہے جو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو امام ابو حنیفہؒ کے فقہی مسلک میں حاصل ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ فقہ حنبلی کو فقہ شافعی میں ضم نہیں کیا گیا جبکہ فقہ ابو یوسف و محمد کو ضم کر دیا گیا۔ ابن عبدالبرؒ، ابن عربیؒ، امام غزالیؒ نے بھی اس سلسلے میں تأمل کا اظہار کیا ہے لیکن ائمہ فقہ میں آپ کی فقہی حیثیت مسلّم ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے اصولِ اجتہاد

امام احمد بن حنبل کے اصول اجتہاد کی ترجمانی علامہ ابن قیمؒ نے ان الفاظ میں کی ہے:

وكان فتاواه مبنيةٌ على خمسةِ أصول...(۱) ''امام صاحب کے فتاویٰ (اور فقہ) کی بنیاد پانچ اصولوں پر ہے: (۱) نصوص، (۲) صحابہ کے فتاویٰ، (۳) اختلاف صحابہ کی صورت میں اس قول کو اختیار کرنا جو قرآن و سنت سے زیادہ قریب ہو، (۴) حدیث مرسل سے استدلال، (۵) قیاس۔

ا۔ نصوص: جب کسی مسئلے میں نص موجود ہو تو اس نص کے مطابق فتویٰ صادر فرماتے، اور اس کے خلاف کسی کی رائے یا کسی فرد کا لحاظ نہ کرتے، مثلاً آپ نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کے مقابلے میں حضرت عمرؓ کی رائے کو قابل التفات نہیں سمجھا۔ جنبی کے لیے تیمّم کے جواز میں حضرت عمارؓ بن یاسر

(۱) اعلام الموقعین، ابن قیم، ۱:۲۴-۲۶، دار الحدیث، القاہرہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی حدیث کے مقابلے میں حضرت عمرؓ کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی وغیرہ۔(۱) اس نوع کی بے شمار مثالیں ابن قیمؒ نے ذکر کی ہیں کہ اگر کسی حدیث کے ثبوت میں شک کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے کسی صحابی کا قول کسی حدیث کے خلاف ہو تو انہوں نے حدیث کے مقابلے میں اسے رد کیا ہے۔

۲۔ **صحابہ کے فتاویٰ:** جب پیش آمدہ مسئلے کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی نص نہ ہو تو پھر امام صاحب صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ابن قیمؒ بیان کرتے ہیں: **الاصل الثانی من أصل فتاوی الامام احمد ماأفتی به الصحابة** (۲) ''امام احمد کے فتاویٰ کی دوسری اساس صحابہ کرام کے فتاویٰ ہیں''۔

نص نہ ہونے کی صورت میں جب انہیں کسی صحابی کا کوئی فتویٰ مل جاتا اور اس کے خلاف کسی دوسرے صحابی کی رائے یا فتویٰ ان کے علم میں نہ ہوتا تو اسے اپنے فتوے کی بنیاد بناتے۔ امام احمد بن حنبلؒ اجماع کے حوالے سے غیر معمولی احتیاط کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مذکورہ صورت میں یہ دعویٰ نہیں کرتے تھے کہ اس مسئلے میں صحابہ کا اجماع ہے، بلکہ فرماتے: **لاأعلمُ شیئًا یَدفَعه**... **لا اعلمُ شیئا یَدْفَعُ قَولَ ابْنِ عباسٍ** (۳) ''میرے علم میں ایسا کوئی قول نہیں جو اس کے خلاف ہو''...... میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں جو ابن عباسؓ کی بات کے خلاف ہو۔ **اِذَا وَجَدَ الامام احمدُ هذا النوعَ عن الصحابة لم یُقَدِّم علیه عملاً ولا رأیاً ولا قیاسًا** ''جب امام احمد کو اس نوع کا قولِ صحابی مل جاتا تو پھر اس کے خلاف نہ عمل کرتے، نہ رائے دیتے اور نہ قیاس کرتے''۔

۳۔ **اقوال صحابہ میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کا اصول:** امام احمدؒ کا تیسرا اصول یہ ہے کہ اگر کسی مسئلے میں صحابہ کی مختلف آرا ہوتیں تو وہ اس رائے کو ترجیح دیتے جو قرآن وسنت سے قریب تر

(۱) ایضاً،ص۳۲

(۲) اعلام الموقعین، ابن قیم، ۱:۲۵

(۳) اعلام الموقعین، ابن قیم، ۱:۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو۔ بقول ابن قیمؒ: اذا اختلف الصحابۃ تخیّر من اقوالھم ما کان اقربھا الی الکتاب والسنۃ ''جب صحابہؓ کا کسی مسئلے میں اختلاف ہوتا تو وہ ان میں سے اس قول کو ترجیح دیتے جو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ سے قریب تر ہوتا''۔ یعنی اختلاف کی صورت میں بھی قول صحابی کو ترک کر کے وہ اپنی رائے یا قیاس پر عمل نہ کرتے، بلکہ فتویٰ کا مدار قول صحابی ہی کو بناتے۔

۴۔ حدیث مرسل اور حدیث ضعیف سے استدلال: امام احمدؒ قیاس کے مقابلے میں حدیث مرسل اور حدیث ضعیف کو حجت مانتے ہیں، بشرطیکہ زیر بحث مسئلے میں اس کے خلاف دلیل نہ ہو۔ البتہ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ یہاں حدیث ضعیف سے موضوع یا منکر حدیث مراد نہیں، بلکہ حدیث صحیح سے کم درجے کی کوئی حدیث مثلاً حدیث حسن وغیرہ مراد ہے: بل الحدیث الضعیف عندہ قسیم الصحیح و قسم من اقسام الحسن (۱) ''امام صاحب کے نزدیک حدیث ضعیف حسن کی اقسام میں سے ایک قسم ہے جو ایک لحاظ سے صحیح ہے''۔ حدیث مرسل سے استدلال کے حوالے سے دیگر ائمہ مجتہدین کا نقطہ نظر بیان کیا جا چکا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ بھی قیاس پر حدیث ضعیف کو مقدم کرتے ہیں، مثلاً حالت نماز میں قہقہہ ناقضِ وضو ہے، یہ حدیث ضعیف ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ نے اس سے استدلال کیا ہے۔ امام شافعیؒ ممنوعہ اوقات میں مکہ مکرمہ میں نماز کے جواز کے قائل ہیں، حالانکہ وہ حدیث ضعیف ہے جس سے یہ جواز ثابت ہوتا ہے۔

۵۔ قیاس: امام احمدؒ کے اصول اجتہاد میں قیاس پانچویں درجے پر ہے۔ اگر کسی مسئلے میں نہ کوئی نص ہے، نہ صحابہ کرام کا متفق علیہ قول ہے، نہ اختلافی قول ہے اور نہ ہی حدیث مرسل یا حدیث ضعیف ہے تو پھر اس ناگزیر ضرورت کی صورت میں وہ قیاس سے کام لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ کے ہاں قیاس کا دائرہ بہت محدود ہے۔

اجماع: عام طور پر اجماع کو ائمہ اربعہ کے ہاں متفق علیہ مصدر کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے

(۱) اعلام الموقعین، ابن قیم، ۱: ۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن ابن قیم نے اصول خمسہ میں اجماع کا ذکر نہیں کیا، البتہ اتنی بات نقل کی ہے: وہ محتاط رویے کے پیش نظر صحابی کے اس قول کو اجماع سے تعبیر نہیں کرتے تھے جس کے خلاف کسی دوسرے صحابی یا صحابہ کا قول ان کے علم میں نہ ہوتا۔ صرف یہ کہہ دیتے کہ اس قول کے خلاف ہمیں کسی اور صحابی کے قول کا علم نہیں ہے۔(۱) بعض علما کا موقف یہ ہے کہ امام احمد صرف اجماع صحابہ کے قائل ہیں۔ اس کے بعد وہ اجماع کے قائل نہیں۔ علامہ شوکانیؒ (۲) نے اجماع صحابہ کے معتبر ہونے پر تمام ائمہ وفقہا کا اتفاق نقل کیا ہے، البتہ غیر صحابہ کے اجماع میں اختلاف ہے۔

مصالح مرسلہ، استصحاب اور دیگر مصادر: چونکہ فقہ حنبلی میں مصالح مرسلہ، استصحاب، سدالذرائع، استحسان وغیرہ کو مصدر کے طور پر استعمال نہیں کیا جاتا، بلکہ استنباط احکام میں قیاس صحیح کے ذیل میں شمار کیا جاتا ہے اس لیے ابن قیمؒ نے قیاس کے بعد ان مصادر کا ذکر نہیں کیا۔ ان کے ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ ان مصادر سے فقہ حنبلی میں استفادہ ہی نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان مصادر کا فقہ حنبلی میں استعمال قیاس کی طرح بہت کم ہوا ہے اس لیے زیادہ تفصیلات بیان نہیں کی گئی ہیں۔

فقہی اختلافات میں ائمہ کا طرزِ عمل

امام ابوحنیفہؒ کے جلیل القدر تلامذہ کا اختلاف

امام ابوحنیفہؒ کے جلیل القدر تلامذہ نے بھی اپنے استاد سے بے شمار مسائل میں اختلاف کیا۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

> آپ کے دوسرے بڑے شاگرد جو تصنیف و تالیف کے لحاظ سے تمام شاگردوں سے ممتاز تھے، امام محمد بن حسن شیبانیؒ ہیں۔ انہوں نے پہلے تو

(۱) اعلام الموقعین، ۱: ۲۵

(۲) ارشاد الفحول، محمد بن علی بن محمد الشوکانی، ص ۶۹، دار الفکر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام موصوف اور امام ابو یوسفؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، پھر مدینہ جا کر امام مالکؒ سے مؤطا پڑھی۔ اس کے بعد غور وفکر شروع کیا اور اپنے شیوخ کے مذہب کے ایک ایک مسئلے کو مؤطا سے مقابلہ کر کے دیکھا، اگر اس کے مطابق نظر آیا تو درست، ورنہ صحابہ اور تابعین کے مختلف اقوال و مذاہب کی تحقیق کی، اگر کسی کے ہاں اپنے مذہب کے موافق قول مل گیا تو اس صورت میں وہ مذہب حنفی پر قائم رہے لیکن اگر کوئی مسئلہ ایسا نکلا جس کی بنیاد کسی کمزور قیاس یا بے جان دلیل پر تھی اور اکثر علما کے عمل سے یا حدیث صحیح سے مخالفت ہو رہی تھی جس پر فقہا نے عمل کیا ہو، تو ایسی صورت میں انہوں نے اپنی رائے بدل دی اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے ہٹ کر مذہب سلف میں سے کسی ایسے مذہب کو اختیار کر لیا جو ان کی نگاہ میں زیادہ راجح تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کی طرح ان کے دونوں تلامذہ نے بھی ابراہیم نخعیؒ کے مذہب کی حتی الامکان پیروی کی۔ استاد اور تلامذہ کے درمیان اختلافات واقع ہوتے رہے۔ کبھی تو ایسا ہوتا کہ امام ابوحنیفہؒ نے ابراہیم نخعیؒ کے مذہب پر کسی مسئلے کی تخریج کی، لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے اس تخریج کو تسلیم نہیں کیا اور کبھی یہ صورت ہوتی کہ ابراہیم نخعیؒ اور فقہائے کوفہ کے کسی مسئلے میں مختلف اقوال پائے گئے جن میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کا سوال ہوتا، تو بسا اوقات اس معاملے میں ان کا موقف وہ نہ ہوتا جو امام صاحب کا ہوتا۔ اس طرح امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مذاہب بھی امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ مل گئے اور ان سب کو ایک مذہب شمار کر لیا گیا، حالانکہ یہ دونوں حضرات بجائے خود مجتہد مطلق ہیں اور امام ابوحنیفہؒ سے ان کے اختلافات کی فہرست کافی طویل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔(۱)

یہ ہے وہ فقہی اور فروعی اختلاف جو صرف علمی تحقیق اور اخلاص پر مبنی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی جلالت قدر کے باوجود انہی کے تربیت کردہ قابل فخر تلامذہ ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ عقیدت واحترام اور جذباتی وابستگی کے باوجود مکمل فکری آزادی ہے۔ محض علمی اختلاف کی وجہ سے کسی نے بھی الگ الگ فرقے اور جماعتیں نہیں بنائیں، بلکہ علمی تحقیق کو مزید آگے بڑھانے کے لیے اس کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

امام ابوحنیفہؒ کی عظمت فقہا ومحدثین کی نظر میں

امام شعبہ بن حجاج: امیر المومنین فی الحدیث شعبہ بن حجاجؒ محدثین کے فکری رجحان کے نمائندہ ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ اہل الرائے کے نمائندہ ہیں۔ اہل الرائے سے مراد وہ فقہاء ہیں جنہیں اجتہاد اور قیاس میں خوب ملکہ حاصل تھا۔ اصول اجتہاد، اسالیب اجتہاد اور فکری رجحان الگ الگ ہونے کے باوجود دونوں میں بڑی عقیدت واحترام کا تعلق تھا، دونوں میں علمی خط و کتابت ہوتی۔ شعبہ بن حجاجؒ، امام ابوحنیفہؒ کے اجتہادات کی توثیق بھی کرتے۔ جب انہیں امام ابوحنیفہؒ کی وفات کی خبر پہنچی تو فرمانے لگے: لقد ذَهَبَ مَعَه فِقْهُ الْكُوفَةِ تَفَضَّلَ اللّٰه عليه و علينا بِرَحْمَتِه (ان کے ساتھ کوفہ کی فقہ بھی رخصت ہوگئی، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اور ہمارے ساتھ اپنی مہربانی اور رحمت کا معاملہ فرمائے)۔

امام شافعیؒ کا خراج تحسین: امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اَلنَّاسُ فِی الْفِقْهِ عِيَالٌ عَلٰى اَبِی حَنِيْفَةَ (لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں)۔

یحییٰ بن سعید القطانؒ: معروف محدث ہیں۔ کسی نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں پوچھا تو جواب دیا: اِذَا اسْتَحْسَنَّا مِنْ قوله شيئًا اَخَذْنَا به (جب ہمیں ان کے اقوال میں سے کوئی قابل ترجیح

(۱) اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، ص ۴۲۔۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قول نظر آتا ہے تو اسے اختیار کر لیتے ہیں)۔

عبداللہ بن مبارکؒ: مشہور محدث ہیں جنہوں نے ہمیشہ امام ابوحنیفہؒ کی تعریف کی ہے اور ان کے اقوال کو اختیار کیا ہے۔ کسی نے ان کے سامنے امام ابوحنیفہؒ کی برائی کی، تو فرمانے لگے: اُسْکُتْ وَاللّٰہِ لو رأیتَ أبا حنیفۃَ رأیتَ عقلا و نبلاً (خاموش رہو، بخدا! اگر تم ابوحنیفہؒ کو دیکھ لو تو انہیں عقل ودانش کا سرچشمہ پاؤ گے)۔

حاصل بحث: یہ تو ان ائمہ محدثین وفقہا کے اقوال ہیں جو امام ابوحنیفہؒ سے اکثر فروعی مسائل اور اصول اجتہاد میں اختلاف کرتے ہیں، لیکن اس اجتہادی وفقہی اختلاف کے باوجود کہیں بھی نفرت وتعصب، ضد، ہٹ دھرمی اور اس بنیاد پر فرقہ بندی کا دور تک بھی نشان نہیں ملتا، بلکہ ہر ایک حق تک پہنچنے میں دوسرے فقہا ومجتہدین کو اپنا مددگار سمجھتا ہے۔

امام مالکؒ: قاضی عیاضؒ ذکر کرتے ہیں کہ میں فقیہ مصر لیث بن سعدؒ سے ملا، وہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں میری ملاقات امام مالکؒ سے ہوئی تو میں نے پوچھا: ''میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کر رہے ہیں'' تو امام مالک نے جواب دیا: انہ لفقیہٌ یامصریُّ! مجھے امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ بیٹھنے سے پسینہ آ گیا ہے، اے مصری! وہی تو فقیہ ہے۔ ابولیث کہتے ہیں کہ میں ابوحنیفہؒ سے ملا اور ان سے کہا کہ امام مالکؒ نے آپ کو کیا خوب خراج تحسین پیش کیا ہے، تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: مارأیتُ اسرعَ منہ بجوابٍ صا دقٍ (میں نے ان سے زیادہ درست اور جلد جواب دینے والا کسی کو نہیں دیکھا)۔

امام مالکؒ نے حدیث کو فقہ اور افتا میں وہ غیر معمولی مقام ومرتبہ اور مقبولیت عطا کی کہ آج بھی مالکی فقہ کے پیروکار دنیا میں جگہ جگہ موجود ہیں۔

اخلاص اور للّٰہیت کا بے نظیر واقعہ

خلیفہ منصور جب حج کے لیے گیا تو اس نے امام مالکؒ سے کہا: میں چاہتا ہوں کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کی تصنیفات (ایک روایت کے مطابق مؤطا) کے متعدد نسخے کرادوں اور مسلمانوں کے ہر شہر میں ایک ایک نسخہ بھجوا دوں، اور حکم دے دوں کہ سب لوگ انہی کتابوں کے مطابق عمل کریں اور ان کو چھوڑ کر کسی اور طرف نہ جائیں۔ یہ بات سن کر امام مالکؒ نے جواب دیا: اے امیر المومنین! ایسا نہ کیجیے! لوگوں میں (صحابہ و تابعین کے) مختلف اقوال پھیل چکے ہیں، اور احادیث ان تک پہنچ چکی ہیں۔ اب ان مختلف اقوال اور احادیث میں سے ہر گروہ ان کے مطابق عمل کر رہا ہے، جو اس تک پہنچے ہیں۔ اس لیے لوگوں کو آزاد چھوڑ دیجیے اور ہر بستی کے مسلمانوں کو اسی مسلک پر عمل کرنے دیجیے جو انہوں نے خود (احادیث رسولؐ اور اقوال صحابہؓ کی روشنی میں) اختیار کر لیا ہے۔''

اس فکر انگیز اور ایمان افروز واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ مجتہدین میں تعصب، علمی برتری اور دنیوی شہرت کے بجائے اخلاص، انکساری، للّٰہیت اور دیگر مسلمانوں کی خیر خواہی جیسی صفات کس قدر مثالی شکل میں تھیں۔

امام شافعیؒ محدثین وفقہا کی نظر میں

وہ فقہا و محدثین جو امام شافعیؒ کے نہ تو مقلد ہیں اور نہ اصول اجتہاد میں ان سے اتفاق کرتے ہیں، انہوں نے بھی عقیدت و احترام سے امام شافعی کے مقام و مرتبہ کا اعتراف کیا ہے۔ اس کا اندازہ درج ذیل علما کی آرا سے کیا جا سکتا ہے:

محدث یحییٰ بن سعید قطانؒ: یہ عظیم محدث، امام شافعیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں: انا اَدعُو اللّٰہ للشافعی حتی فی صلاتی (میں نماز تک میں امام شافعیؒ کے لیے دعا کرتا ہوں)۔

امام احمد بن حنبلؒ: ایک مرتبہ امام احمدؒ کے صاحبزادے عبداللہ نے پوچھا: آپ اکثر امام شافعیؒ کے لیے دعا کرتے ہیں، وہ کیسے شخص تھے؟ امام احمدؒ نے جواب دیا: کان الشافعی کالشمس للدنیا و کالعافیۃ للناس (امام شافعیؒ دنیا کے لیے سورج کی طرح تھے، وہ لوگوں کے لیے سراپا عافیت تھے)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام احمدؒ کے دوسرے صاحبزادے صالحؒ بیان کرتے ہیں، ایک مرتبہ مشہور محدث یحییٰ بن معینؒ سے میری ملاقات ہوئی، کہنے لگے: آپ کے والد جو طرزِ عمل اختیار کررہے ہیں، کیا انہیں وہ معیوب نہیں لگتا؟ میں نے پوچھا: وہ کیا طرزِ عمل ہے؟ کہنے لگے: رأیتُہ مع الشافعی، والشافعیُّ راکِبٌ و هُوَرَاجِلٌ آخِذٌ بزِمَامِ دَابَّتِه (میں نے انہیں، امام شافعیؒ کے ساتھ اس حال میں دیکھا کہ امام شافعیؒ سوار ہیں وہ ان کی سواری کی مہار تھامے پیدل چل رہے تھے)۔ صالح کہتے ہیں: میں نے یہ بات اپنے والد امام احمدؒ سے کہی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر کہیں پھر تمہاری ملاقات یحییٰ بن معین سے ہو تو انہیں میرا یہ پیغام پہنچادو: اذا أرَدْتَ ان تَتَفَقَّهَ فتعال فَخُذْ برکابه مِنَ الْجَانِبِ الآخَر (اگر آپ بھی فقیہ بننا چاہتے ہیں تو آئیں اور دوسری طرف سے ان کی سواری کا پائیدان تھام لیں)۔

حاصل کلام: تمام اختلافات کے باوجود اس سے بڑھ کر رواداری، اخوت ومحبت، برداشت اور پھر بے پناہ عقیدت ومحبت کی نظیریں دنیا کے کسی دوسرے مذہب میں نہیں مل سکتی۔

امام احمد بن حنبلؒ فقہا ومحدثین کی نظر میں

امام شافعیؒ: امام احمدؒ، امام شافعیؒ کے تلامذہ میں سے ہیں لیکن استاد کے دل میں شاگرد کی عظمتِ کردار، تقویٰ اور للّٰہیت اس قدر گھر کرگئی تھی کہ وہ اس عقیدت کی وجہ سے امام احمدؒ کا نام لینے کے بجائے کہتے: حدثنا الثقة من أصحابنا أو انبأنا الثقة اور أخبرنا الثقة یعنی ہمیں ایک ثقہ ساتھی نے یہ حدیث بیان کی ہے، حالانکہ دونوں ائمہ کے اپنے اپنے اصولِ اجتہاد ہیں، بہت سے فروعی مسائل میں آپس میں اختلافات بھی ہیں لیکن اس سب کے باوجود کہیں بھی تعصب اور فرقہ ورانہ رنگ نظر نہیں آتا، بلکہ اعلیٰ اخلاق اور علمی اختلافات میں آداب مثالی شکل میں نظر آتے ہیں۔

امام احمدؒ کی جلالت قدر، عزیمت، دین پر استقامت اور عظمت کردار نے تمام فقہا ومحدثین اور علما کو یک زبان کردیا ہے اور سبھی ان کے تقویٰ، للّٰہیت، اخلاص اور دینی حمیت کی گواہی دیتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۳

ائمہ مجتہدین کے بعد فقہی اختلافات

ائمہ مجتہدین کے بعد فقہی اختلافات نے کیا رُخ اختیار کیا، اس کے اسباب کیا تھے؟ فقہی مناظروں اور مجادلوں کا جو بازار گرم ہوا اس کے امت مسلمہ پر کیا سنگین نتائج برآمد ہوئے؟ ان امور کی وضاحت اور اس عہد کا جو نقشہ شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب **الانصاف** میں کھینچا ہے۔ اس کی تفصیل ''چوتھی صدی ہجری کے بعد فقہی اختلافات کا رُخ'' کے عنوان کے تحت ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

ا۔ فقہی مناظرے

شاہ ولی اللہؒ فقہی مناظروں کے حوالے سے امام غزالیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

> خلفائے راشدینؓ کا مبارک دور جب ختم ہوگیا تو زمامِ خلافت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو اس بارِ امانت کو اٹھانے کی صلاحیت رکھتے تھے اور نہ انہیں علم فتاویٰ اور احکامِ شریعت سے گہرا لگاؤ تھا۔ اس لیے وہ مقدمات فیصل کرنے اور قضائے شرعی جاری کرنے کے لیے مجبور ہوئے کہ فقہا سے مدد لیں اور ہر وقت انہیں اپنے ساتھ رکھیں۔ (گو خیر القرون کا دور ختم ہو چکا تھا مگر پھر بھی) ایسے علما سے دنیا خالی نہ تھی جو قدیم رنگ پر مضبوطی سے قائم تھے اور جو اخلاص دینی کو اپنی عزیز ترین متاع سمجھتے تھے۔ حکومتیں ان کی طرف لپکیں مگر وہ انہیں جتنا ہی اپنی طرف کھینچتیں وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان سے اتنا ہی زیادہ کھنچتے جاتے۔

جاہ پسند لوگوں نے جب دیکھا کہ ان کی بڑی عزت ہے اور وہ اپنے استغنا اور بے نیازی کے باوجود ارباب حکومت کے مطلوب خاطر بنے ہوئے ہیں تو ان کے دلوں میں اس ذریعۂ عزت واقبال (یعنی علم دین) کو حاصل کرنے کا انتہائی شوق پیدا ہوگیا، تاکہ اسے بازار میں لاکر عزت و شرف کا سودا کریں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب علما وفقہا ڈھونڈے نہ جاتے تھے۔ اگر کل تک وہ سلاطین سے منہ موڑنے کی بدولت باعزت تھے تو اب جب انہوں نے خود سلاطین کا رُخ کیا تو ان کی عزت ذلت سے بدل گئی۔ الاّ ماشاء اللہ۔

۲۔ اختلاف کے بنیادی سبب کے بارے میں غلط فہمی

بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں پڑ گئے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے اختلافات کی اساس وہ اصول ہیں جو امام بزدویؒ وغیرہ کی کتابوں میں درج ہیں، حالانکہ ان میں بیشتر اصول ایسے ہیں جو ان ائمہ کے اقوال وفتاویٰ کو سامنے رکھ کر بعد میں وضع کیے گئے ہیں، مثلاً میرے نزدیک فقہ کے حسب ذیل اصول (حنفی) ائمہ کے کلام سے بعد والوں نے تخریج کیے:

''خاص اپنے حکم میں خود واضح اور مبین ہے، اس کے ساتھ کوئی تشریحی بیان ملحق نہ کیا جائے گا۔''

''کسی حکم (قرآنی) پر اضافہ اس حکم کا نسخ ہے۔''

''خاص کی طرح عام بھی قطعی ہے۔''

''راویوں کی کثرت لازمۂ ترجیح نہیں۔''

''غیر فقیہ راوی کی روایت اگر قیاس کے خلاف ہو تو واجب العمل نہیں۔''

''مفہوم شرط اور مفہوم وصف کا کوئی اعتبار نہیں۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''امر کا صیغہ حکم کے واجب ہونے کا متقاضی ہے۔''

یہ اور اسی قسم کے بہت سے فقہی اصول ایسے ہیں جو حنفی ائمہ کے مقرر کیے ہوئے نہیں بلکہ ان کے فتووں کو سامنے رکھ کر بعد میں وضع کیے گئے ہیں، امام ابوحنیفہؒ یا صاحبینؒ سے ان اصولوں کی کوئی صحیح روایت منقول نہیں۔

۳۔ فقہی اقوال کے ادراک میں فرقِ مراتب

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقہ کی وہ تمام جزئیات جو ان لمبی لمبی شرحوں اور فتاویٰ کی موٹی موٹی کتابوں میں موجود ہیں، سب کی سب امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین رحمہما اللہ کے اقوال ہیں۔ وہ ان فتووں میں یہ تمیز نہیں کرتے کہ فلاں قول ان ائمہ کا واقعی قول ہے اور فلاں قول ان کے راویوں اور فتووں کو سامنے رکھ کر بعد میں مستنبط کیا گیا ہے، اور یہ جو ان کتابوں میں **علی تخریج الکرخی کذا** (امام کرخیؒ کی تخریج کے مطابق یوں) اور **علی تخریج الطحاوی کذا** (امام طحاویؒ کی تخریج کے مطابق یوں) کے الفاظ آیا کرتے ہیں ان کو وہ گویا بے معنی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح **قال ابو حنیفة کذا** (امام ابوحنیفہؒ نے یوں فرمایا ہے) اور **جواب المسئلة علیٰ مذهب أبي حنيفة كذا** (امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے موافق مسئلے کا جواب یوں ہے) کے درمیان وہ کوئی فرق و امتیاز نہیں کرتے، اور امام ابن ہمام و ابن نجیم وغیرہ محققین حنفیہ کا مسئلہ دہ دردہ(۱) اور مسئلہ شرط تیمم(۲)، اور ایسے ہی دوسرے مسائل کے بارے میں یہ فرمانا کہ ''دراصل یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک نہیں ہے بلکہ بعد والوں کی تخریجات ہیں'' ان کے نزدیک بالکل ناقابل اعتنا ہے۔

اسی طرح بعض لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ مذہب حنفی کی بنا ان ہی جدلی بحثوں پر

(۱) یعنی ''ماء کثیر'' جو ناپاکی گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا، اس کی حد حنفی علما نے بیان کی ہے کہ وہ کم از کم دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو۔

(۲) حنفیہ کے یہاں ''تیمم'' کی اجازت اس وقت مل سکتی ہے جب کہ آدمی پانی سے ایک میل دور ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قائم ہے جو المبسوط، الهداية اور التبيين وغیرہ کتابوں کے صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ان کے مذہب کی بنیاد ان منطقی بحثوں پر نہیں ہے اور ان کے اندر بحث وجدال کے اس طرز کی ابتدا تو دراصل معتزلہ سے ہوئی ہے جسے متاخرین نے اس خیال سے اختیار کر لیا تھا کہ فقہی مباحث میں اس قسم کی باتوں کی بھی گنجائش ہے، نیز یہ کہ اس سے طلبہ کے ذہن میں تیزی اور وسعت پیدا ہوگی۔

ہم اس جگہ ان اوہام اور شکوک کی تردید میں لمبی گفتگو نہیں کرنا چاہتے، کیونکہ اس باب کی تمہید میں جو کچھ بیان کر چکے ہیں اس کی روشنی میں ان میں سے اکثر کا خود بخود ازالہ ہو جاتا ہے۔

۴۔ ''رائے'' اور ''ظاہریت'' کے مفہوم سے ناواقفیت

ایک غلط فہمی یہ ہے کہ ''فقاہت کے لحاظ سے محض دو گروہ ہیں: ایک اهل الظاهر، دوسرے اهل الرائے اور جو شخص بھی قیاس اور استنباط سے کام لے وہ اہل الرائے میں سے ہے۔'' حاشا کہ حقیقت سے یہ انتہائی بے خبری ہے۔ لفظ ''رائے'' کا مفہوم نہ تو نفس عقل وفہم ہے کیونکہ کوئی بھی عالم اس صفت سے عاری نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی وہ رائے محض ہے جس کا رشتہ سنت سے یکسر منقطع ہو، اور نہ اس سے مراد قیاس واستنباط کی صلاحیت ہے کیونکہ امام احمدؒ اور اسحاقؒ بلکہ امام شافعیؒ بھی بالاتفاق اہل الرائے میں شمار نہیں ہوتے، حالانکہ وہ قیاس سے بھی کام لیتے ہیں اور مسائل کا استنباط بھی کرتے ہیں۔ دراصل رائے اور اہل الرائے کا مفہوم ان تمام سے جُدا گانہ ہے۔ اہل رائے ان لوگوں کو کہتے ہیں جنہوں نے جمہور مسلمین کے متفق علیہا مسائل کے بعد فروعی اور اختلافی مسائل میں کسی امام کے اقوال واصول کو سامنے رکھ کر تخریج واستنباط پر اکتفا کر لیا۔ وہ اپنے امام کے بتائے ہوئے اصولوں میں تلاش کرتے کرتے اس قدر منہمک ہو گئے کہ حدیث کی طرف رجوع کرنے میں ان سے تسامح ہو گیا۔ ان کے مقابلے میں ''اہل الظاہر'' وہ لوگ ہیں جو نہ قیاس سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی آثارِ صحابہ اور اقوال تابعین ان کے ہاں حجت ہیں۔ جیسے امام داؤد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظاہریؒ اور علامہ ابن حزمؒ۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان محققین اہل سنت کا گروہ ہے، جیسے امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ۔

۵۔ اندھی تقلید کا زور

پانچویں مہلک بیماری اس زمانے میں یہ پیدا ہوئی کہ تقلید جامد پر لوگ مضبوطی سے جم گئے، اور وہ غیر شعوری طور پر ان کے تمام بدن اور ایک ایک رگ و ریشے میں سرایت کر گئی، جس کے چند اسباب تھے:

پہلا سبب: تقلید کے اس دور میں بعض فقہا کی آپس کی مناظرانہ چپقلش اور ردوقدح شروع ہوئی تو نوبت بہ ایں جا رسید، کہ جہاں کسی فقیہ نے کوئی فتویٰ دیا، دوسرے نے فوراً اس کی تردید کر دی، اور اپنی رائے الگ پیش فرما دی۔ اس نزاع میں جب تک کسی قدیم امام مجتہد کا قول بطور حجت نہ پیش کیا جاتا، جھگڑے کا تصفیہ ہی نہ ہو پاتا (اس طرح ارباب علم وافتا کے لیے ناگزیر ہو گیا کہ کسی نہ کسی امام کی تقلید محض کے حصار میں پناہ لیں)۔

دوسرا سبب: دوسرا سبب اس زمانے کے قاضیوں کا ظلم و جور ہے۔ چونکہ ان کے فیصلے اکثر سنتِ عادلہ سے بے پروا ہو کر جور وستم پر مبنی ہوا کرتے تھے اور ان پر سے اعتبار اُٹھ گیا تھا اس لیے ان کی کوئی بات اس وقت تک قابل قبول نہ ہوتی جب تک عام لوگوں کے نزدیک وہ شک وشبہ سے بالاتر نہ ہو جائے، یعنی وہ ایسی رائے ہو جو ائمہ سلف سے بھی منقول ہو۔

تیسرا سبب: اس زمانے میں فقہا کا علمی معیار وہ نہ رہا جو متقدمین کا طرہ امتیاز تھا۔ علامہ ابن ہمامؒ وغیرہ نے اس علمی وفقہی زوال پر شدید احتجاج کیا ہے (ایک وقت وہ تھا جب فقیہ اور مجتہد کے الفاظ ایک ہی معنی میں بولے اور سمجھے جاتے تھے مگر اب فقاہت کا معیار بدل چکا تھا) اس زمانے میں غیر مجتہد بھی فقیہ ہونے لگا تھا۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں فقہی تعصبات لوگوں کے دماغوں پر بری طرح چھا گئے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان فقہی اختلافات میں سے اکثر، بالخصوص

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جن مسائل میں صحابہؓ بھی مختلف تھے، اور دونوں طرح کی آرا ان سے منقول ہیں، مثلاً تشریق کی تکبیروں اور عیدین کی تکبیروں کا اختلاف، نکاح مُحرم کے جواز کا اختلاف، ابن عباسؓ کے تشہد اور ابن مسعودؓ کے تشہد کا اختلاف، آمین اور بسم اللہ کو نماز میں آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنے کا اختلاف، اقامت میں کلمات اذان کو ایک بار یا دو بار کہنے کا اختلاف وغیرہ، ایسے اختلاف ہیں جن کی نوعیت بس ایک رائے اور مسلک کو دوسرے مسلک پر ترجیح دینے کی ہے، ورنہ ان کی اصل مشروعیت میں ائمہ سلف کا کوئی اختلاف نہیں (یہ بھی مانتے ہیں کہ یہ تمام مذاہب کتاب وسنت سے مستنبط ہیں اور جائز ومشروع ہیں) ان کا آپس کا اختلاف جو کچھ تھا صرف اس امر میں تھا کہ فلاں مسئلے میں جو دو پہلو ہیں ان میں افضلیت اور ترجیح کس پہلو کو حاصل ہے؟ ان کے اس اختلاف کی نوعیت بالکل ویسی ہی ہے جیسا کہ قراءت قرآن کے اختلافات کی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے اکثر اختلافات کی تعلیل بھی یہی کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام آپس میں اختلاف رائے رکھتے تھے (اور اس مسئلے میں فلاں صحابی نے یہ فرمایا ہے) جب کہ صحابہ سب کے سب ہدایت کی روشن شاہراہ پر تھے (یعنی کسی صحابی کا اختیار کیا ہوا مسلک خلافِ شرع نہیں ہوسکتا) یہی وجہ ہے کہ علمائے حق مسائل اجتہاد میں تمام ارباب افتا کے فتووں کو جائز سمجھتے اور قضاۃ کے فیصلوں کو تسلیم کرتے آئے ہیں، اور بسا اوقات اپنے مذہب کے خلاف بھی عمل کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ آپ اس قسم کے مواقع پر تمام ائمہ مذاہب کو دیکھیں گے کہ وہ مسئلے کو پھیلا کر بیان کرتے اور مخالف مسلک کو بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ پھر بعد میں اپنے مسلک کے بارے میں یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ ''میرے خیال میں یہ زیادہ محتاط مسلک ہے''، ''یہ رائے زیادہ قابل اختیار ہے''، ''میرے نزدیک یہ زیادہ پسندیدہ ہے''، اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ ''ہم تک صرف یہی حکم پہنچا ہے''۔ المبسوط، آثار محمدؒ اور اقوال شافعیؒ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ اس مبارک دور کے بعد ان وسیع النظر ائمہ دین کے پیروؤں کا زمانہ آیا تو اُنہوں نے اختصار کی راہ اختیار کر کے صرف اپنے ہی مسلک ومذہب کے ذکر وبیان پر اکتفا کر لیا (اور دوسرے مجتہدین کی آرا کو یک سر نظر انداز کر دیا) اس طرح اختلاف کی جڑوں کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضبوط کر کے وہ محض اپنے ہی ائمہ کے اقوال پر سختی سے جم گئے۔

اور بعض علمائے سلف سے جو ان کے اپنے ہی امام کے مذہب پر ہمیشہ قائم رہنے کی تاکید منقول ہے، سو یہ یا تو ایک طبعی رجحان کی بنا پر ہے کیونکہ ہر انسان اپنے پیشواؤں اور بزرگوں کی پسندیدہ چیزوں کو بڑی قدر اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے یہاں تک کہ غذا اور لباس بھی اسے وہی مرغوب ہوتے ہیں جو اس کے بزرگوں کے مرغوب خاطر رہے ہوتے ہیں۔ یا پھر اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کے دلائل کی عظمت اور قوت سے مرعوب تھے۔ یا پھر اسی طرح کی کوئی اور وجہ ہوگی جسے بعض لوگوں نے یہ گمان کر لیا کہ یہ دراصل ان کے گروہی تعصب کا نتیجہ ہے، مگر حاشا وکلا انہوں نے تعصب کی بنا پر ہرگز یہ بات نہیں کہی۔

فقہی اختلافات میں سلف کا طرزِ عمل

اب ذرا ان اختلافات کی اصلیت پر غور کیجیے جن پر فرقہ بندیوں کا محاذِ جنگ قائم ہو رہا تھا اور دیکھیے کہ صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ سلف نے ہمارے لیے کون سا اسوہ چھوڑا ہے؟ ان تمام کا حال تو یہ تھا کہ ان میں سے بعض لوگ (نماز میں قراءت سے پہلے) بسم اللہ پڑھتے تھے بعض نہیں پڑھتے تھے، کچھ لوگ زور سے پڑھتے تھے کچھ آہستہ سے، بعض لوگ نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے بعض نہیں پڑھتے تھے، اگر ان میں ایک جماعت ایسی تھی جو قے کرنے یا پچھنے لگوانے، یا نکسیر پھوٹنے کے بعد تجدید وضو کو ضروری خیال کرتی تھی تو ایک جماعت ایسی بھی تھی جو اس کی مطلقاً ضرورت نہ سمجھتی تھی، کچھ لوگ شرم گاہ کو چھو لینے یا عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگا دینے کو ناقض وضو سمجھتے تھے تو کچھ کا مسلک اس کے خلاف بھی تھا، بعض لوگ اگر آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد از سر نو وضو کرنا ضروری خیال کرتے تھے تو بعض ایسا خیال نہیں رکھتے تھے، اونٹ کا گوشت کھانا اگر کسی کے نزدیک وضو کے لیے ناقض تھا تو دوسروں کے نزدیک ناقض نہیں تھا۔ یہ اور اسی قسم کے بیسیوں اختلافات موجود تھے، لیکن اس کے باوجود وہ سب ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ (کسی نے دوسرے کی اقتدا سے کبھی انکار نہیں کیا) مثلاً امام ابوحنیفہؒ اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے تلامذہ اور امام شافعیؒ وغیرہ اہل مدینہ کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے، حالانکہ اہل مدینہ (نماز میں) سرے سے بسم اللہ پڑھتے ہی نہ تھے، نہ آہستہ اور نہ زور سے۔ امام ابو یوسفؒ نے ہارون الرشید کے پیچھے نماز پڑھی اور پھر وہرائی نہیں، حالانکہ اس نے پچھنے لگوانے کے بعد وضو کی تجدید نہیں کی تھی، جس کا فتویٰ اسے امام مالکؒ نے دیا تھا۔ (اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پچھنے لگوانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے) اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ پچھنے اور نکسیر کو ناقضِ وضو مانتے تھے، لیکن جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے جس نے بدن سے خون نکلنے کے بعد پھر سے وضو نہ کیا ہو؟ تو آپ نے جواب دیا: ''یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امام مالکؒ اور سعیدؒ بن مسیّب کے پیچھے میں نماز نہ پڑھوں؟'' (جن کے نزدیک یہ چیزیں نواقض وضو میں سے نہیں ہیں)۔

روایت ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ عیدین میں حضرت ابن عباسؓ کے مذہب کے مطابق تکبیریں کہا کرتے تھے (حالانکہ ان دونوں اماموں کا مذہب اس کے خلاف تھا) وجہ صرف یہ تھی کہ خلیفہ ہارون الرشید کو اپنے دادا (حضرت ابن عباسؓ) ہی کی تکبیر پسند تھی۔

امام شافعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے مقبرے کے قریب فجر کی نماز پڑھی تو محض ان کے لحاظ اور ادب سے دعائے قنوت کو ترک کر دیا، اور فرمایا: ''بسا اوقات ہم اہلِ عراق کے مسلک پر بھی عمل کر لیتے ہیں۔''

خلیفہ منصور کو امام مالکؒ نے المؤطا کے سلسلے میں جو جواب دیا تھا، اس کا ذکر اُوپر گزر چکا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے متعلق البزازیۃ میں ہے کہ آپ نے جمعہ کے روز حمام میں غسل کیا اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز پڑھ کر جب لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے تو آپ کو اطلاع دی گئی کہ حمام کے کنویں میں ایک مرا ہوا چوہا موجود ہے۔ امام موصوف نے یہ سُن کر فرمایا کہ ''تو پھر اس وقت ہم اپنے مدنی بھائیوں (یعنی مالکیوں) کے مسلک پر عمل کرتے ہیں کہ جب پانی دو قلہ کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدار میں ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا۔ اس کا حکم ماءِ کثیر کا ہو جاتا ہے۔''

۶۔ غیر ضروری فنی کاوشوں کا زور

اس دور میں ایک اور چیز پیدا ہو گئی جس نے اکثر لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ وہ (علومِ شریعت کے اصل سرچشمے سے اِک گونہ بے پروا ہوتے گئے اور) مختلف فنون میں موشگافیاں کرنے لگے۔ کچھ لوگوں نے اپنی کاوشوں کے متعلق یہ گمان کیا کہ ہم علم اسماء الرجال اور فن جرح وتعدیل کی بنیادیں بھر رہے ہیں، پھر وہ جدید وقدیم تاریخ کی تدوین میں منہمک ہو رہے۔ کچھ لوگ غریب اور نادر حتیٰ کہ موضوع احادیث واخبار کی چھان بین میں مصروف ہو گئے۔ ایک گروہ نے اصول فقہ کے مباحث کو پھیلانا شروع کیا اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے امام و اصحاب کی تائید کے لیے بے شمار قواعد ایجاد کر ڈالے، دوسروں پر جی کھول کر اعتراض کیے، دوسروں کے اعتراضات کے خوب خوب جواب دیے، ایک ایک چیز کی تعریف بیان کی، مسائل و مباحث کی تقسیم کی، اور اس طرح اس فن پر ان کے قلم سے کبھی طویل اور کبھی مختصر کتابیں تحریر ہوتی رہیں۔ پھر ان میں سے اکثر ایسے تھے جنہوں نے یہ ساری دماغی کاوشیں یا تو ایسی فرضی صورتوں کو سامنے رکھ کر کیں جو حد درجہ بعید از عقل اور بے اصل تھیں، اور جو اس قابل نہیں کہ ان کی طرف کوئی معقول آدمی نظر بھی ڈالے، یا پھر ائمہ تخریج کے، بلکہ ان سے کم مرتبہ علما کے عموم عبارت اور اشارات کو کرید کرید کر کیں جن کا سننا نہ کسی عالم کو پسند ہو سکتا ہے نہ کسی عام فرد کو۔

(یہ دور اتنے فتنوں کو ساتھ لے کر آیا تھا) اختلاف ونزاع کا یہ فتنہ قریب قریب ویسا ہی (خطرناک اور مہلک) تھا جیسا کہ تاریخ اسلام کا پہلا (سیاسی) فتنہ، جو اس وقت اٹھا تھا جب اقتدار حکومت کے لیے لوگوں میں کش مکش شروع ہو گئی تھی اور ہر شخص اپنے ساتھی (لیڈر) کو برسرِ تخت لانے کی (جا و بے جا) سر توڑ کوششوں میں مصروف تھا۔ جس طرح اس فتنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جابر وظالم بادشاہ امت کے سر پر مسلّط ہو گئے اور تاریخ اسلام میں نہایت سخت اور ہولناک واقعات پیش آئے، اسی طرح یہ جدید فتنہ بھی جہل وتاریکی، شکوک اور اوہام کا ایک ایسا طوفان برپا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر گیا جس کی پنہائیوں کا کوئی حساب نہیں۔

بعد ازاں جو نسلیں آئیں وہ اسی اندھی تقلید کی تاریک فضا میں پروان چڑھیں، اس لیے انہیں حق و باطل میں تمیز کرنے اور جدل محض اور استنباط صحیح کی حدود الگ کرنے کا مطلق شعور نہ رہا۔ اب فقیہ نام ہونے لگا اس شخص کا جو اُلجھی ہوئی زبان استعمال کر سکتا ہو، جو کسی بات پر چپ رہنا اور حق و ناحق کا لحاظ کرنا جانتا ہی نہ ہو، جس نے بلا امتیاز رطب و یابس فقہا کے تمام اقوال رٹ رکھے ہوں اور اپنے جبڑے چیر کر ان کی دُھواں دھار تلاوت کر سکتا ہو۔ اسی طرح اصطلاحی محدّث نام تھا اُس شخص کا جس نے غلط اور صحیح ہر قسم کی روایتوں کو شمار کر رکھا ہو اور زبان کی پوری طاقت سے، جس طرح قصے سُنائے جاتے ہیں، اِن کو فر فر سُنا سکتا ہو۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہی حال سب کا تھا۔ نہیں، اس قحط کے باوجود اللہ کے کچھ (نیک طینت) بندے باقی تھے جن کا کوئی دشمن حق کچھ بھی نہ بگاڑ سکا، اگرچہ بہت کم تھے۔ ایسے ہی لوگ اللہ کی زمین پر اس کی حجت ہیں۔

اس دور کے بعد جوں جوں وقت گزرتا گیا فتنہ آرائی اور متعصبانہ تقلید پرستی کا طوفان بڑھتا ہی گیا اور دلوں سے علم و بصیرت کی امانتیں نکلتی گئیں، حتیٰ کہ لوگ اب امورِ دین میں غور و تدبر کی ''بدعت'' کو مٹا کر اطمینان کا سانس لے رہے ہیں اور زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ:

اِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَ نَا عَلٰی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰی آثَارِهِم مُّقتَدُوْنَ (الزخرف ۴۳:۲۳)

ہم نے اپنے آبا کو ایک روش پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقوش قدم کی پیروی کرتے رہیں گے۔(۱)

(۱) اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، ص ۱۳۰-۱۴۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۴

فقہی اختلاف کے اسباب

تمہید

فقہی مسائل کے استنباط میں علما کا اختلاف اور کسی مسئلے میں آرا کا اختلاف ایک فطری امر ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعید کے بعد مسائل میں یکے بعد دیگرے اختلاف رونما ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور میں اختلاف کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں ہوا تھا، کیونکہ صحابہ کرامؓ اس وقت تک مختلف ممالک میں نہیں پھیلے تھے اور یہ دونوں خلفا اہم مسائل میں اکابر صحابہ کرامؓ کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے۔ اگر کسی مسئلے پر اتفاق ہو جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ دے دیتے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کے بعد اختلافات کا دائرہ وسیع ہونا شروع ہو گیا، جس کی ایک وجہ یہ بھی رہی ہے کہ متعدد صحابہ کرامؓ مفتوحہ علاقوں میں آباد ہو گئے۔ ان علاقوں میں علمی مراکز بھی تھے اور جس نے جو کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا، اس نے وہاں کے لوگوں کو وہی سکھایا۔ بسا اوقات ایک صحابی کے پاس جو روایت ہوتی وہ دوسروں کے پاس نہ ہوتی۔ اس طرح مختلف علاقوں میں ایک مسئلے میں مختلف آرا سامنے آتی تھیں۔ اس طرح جو اختلافات رونما ہوئے ہیں ان کے متعدد اسباب ہیں ان میں سے چند ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

پہلا سبب: قرآن مجید کی قراءتوں کا اختلاف

فقہا میں فقہی مسائل میں اختلاف کی ایک وجہ قرآن مجید کی ان قراءتوں کا اختلاف بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچی ہیں، یعنی جن کے درست ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ اس کی چند صورتیں ذکر کی جاتی ہیں:

ا۔ دوران وضو پاؤں دھونے یا مسح کرنے کی فرضیت میں اختلاف:

ا) **جمہور علما کا نقطۂ نظر:** جمہور علما کی رائے یہ ہے کہ پاؤں دھونا فرض ہے، مسح جائز نہیں ہے۔

ب) **ابن جریر طبری کا موقف:** وضو کرنے والے کو اختیار ہے، چاہے تو پاؤں دھو لے اور چاہے تو مسح کر لے۔

ج) **اہل ظواہر کا موقف:** بعض اہل ظواہر کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ پاؤں کا مسح اور دھونا دونوں فرض ہیں۔

د) **امامیہ شیعہ کا موقف:** امامیہ فرقے کے نزدیک پاؤں کا مسح فرض ہے۔

اختلاف کا سبب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ (المائدہ ۵:۶) ''اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھو لیا کرو، اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت، اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیر لو، اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت دھو لو''۔

مشہور قرا میں سے ابن عامرؒ اور کسائیؒ لفظ ''اَرْجُلَكُمْ'' میں لام پر فتحہ (زبر) پڑھتے ہیں۔ ابن کثیر، عمرو اور حمزہ سے جو قراءت منقول ہے اس میں لام کے نیچے کسرہ (زیر) ہے۔ یہاں قراءت کے اس اختلاف سے فقہا میں پاؤں دھونے اور مسح کرنے کے مسئلے میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔

جمہور علما نے لام پر فتحہ (زبر) کی قراءت کو اختیار کیا ہے اور کسرہ (زیر) کی قراءت کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاویل کی ہے۔اس لیے ان کے نزدیک پاؤں دھونا فرض ہے، مسح جائز نہیں ہے۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے پاؤں دھونا اور موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔

دوسرا سبب: حفظ حدیث میں فرقِ مراتب

حفظِ حدیث میں صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی فرق مراتب تھا۔ زمانہ قبول اسلام، مواقع صحبت اور دیگر اسباب کی بنا پر وہ سب حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو جاننے میں برابر نہیں تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بات چیت کرتے یا فیصلہ دیتے یا کسی مسئلے کا جواب دیتے یا کوئی بھی کام کرتے تو اسے سننے والے اور دیکھنے والے تو وہی صحابہ ہوتے جو اس مجلس میں موجود ہوتے تھے، پھر یہی حضرات اس بات کو آگے دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتے۔

اس طرح جب کسی دوسری مجلس میں آپ کچھ ارشاد فرماتے یا آپ کا کوئی عمل سامنے آتا یا کوئی مسئلہ بتاتے یا کوئی فیصلہ فرماتے تو بعض وہ صحابہ کرامؓ جو پہلی مجلس میں موجود تھے وہ وہاں حاضر نہ ہوتے۔ اور کچھ دوسرے صحابہ کرامؓ موجود ہوتے جو پہلی مجلس میں نہیں تھے۔ پھر یہ دوسروں تک اس بات کو پہنچاتے۔ بسا اوقات پہلی مجلس کے شرکا کی تمام احادیث کا علم دوسری مجلسوں کے شرکا کو نہ ہوتا۔ خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہ کرامؓ کو بھی بعض مسائل میں دیگر صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کی نوبت آ جاتی حالانکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور سیرت طیبہ سے سب سے زیادہ باخبر رہتے تھے، لیکن اس کے باوجود بعض معاملات سے لاعلم رہ جاتے تھے۔

مثالیں

دادی کی میراث: حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے جلیل القدر صحابی جو سفر وحضر میں کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوتے تھے، بلکہ ان کا بیشتر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں گزرتا اور رات کو بھی اہم معلومات سے متعلق گفتگو کے لیے حضور اکرمؐ کے پاس رُک جاتے تھے۔ جب ان کے دور خلافت میں ان سے جَدّۃ (دادی) کی میراث کا سوال کیا جاتا ہے تو فرماتے ہیں: ''کتاب اللہ میں تیرا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے اور نہ ہی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی حصہ مجھے معلوم ہے۔ اس سلسلے میں میں لوگوں سے دریافت کروں گا''۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ لوگوں سے پوچھتے ہیں تو مغیرہؓ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہؓ فوراً اٹھ کر گواہی دیتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے جدۃ (دادی) کو چھٹا حصہ دیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اس کے مطابق فیصلہ دے دیتے ہیں۔

یہ دونوں صحابہ حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ نہیں رہے تھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ایسے مسئلے سے آگاہ ہیں جو حضرت ابوبکرؓ کے علم میں نہیں تھا اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد سے آج تک امت مسلمہ بالاتفاق اس پر عمل پیرا بھی رہی ہے۔

شوہر کی دیت میں بیوی کی وراثت: حضرت عمرؓ کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ بیوی وراثت میں شوہر کی دیت لے سکتی ہے۔ ان کا خیال تو یہ تھا کہ دیت عاقلہ کا حق ہے۔ ابن سفیان نے آپ کی طرف لکھ بھیجا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیم ضبابی کی بیوی کو وراثت میں شوہر کی دیت سے حصہ دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی رائے چھوڑ دی اور فرمایا کہ اگر ہمیں یہ بات معلوم نہ ہوتی تو ہم اس کے برعکس فیصلہ دے دیتے۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کو دیت کے سلسلے میں مجوسیوں کا حکم بھی معلوم نہیں تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''ان کے ساتھ اہل کتاب والا معاملہ اختیار کرو۔''

اجازت طلب کرنے کا مسنون طریقہ: کسی کے گھر جانے کے لیے اجازت طلب کرنے کے طریق کار سے متعلق حدیث کا علم حضرت عمرؓ کو اپنے دور خلافت میں ہوا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو بتایا اور اس پر بعض انصار کو بطور گواہ پیش کیا۔

طاعون زدہ علاقے میں جانے کا حکم: حضرت عمرؓ کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ طاعون زدہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاقے میں باہر سے لوگوں کو جانا چاہیے یا نہیں، جب انہیں عملاً واسطہ پڑا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا علم ہوا۔ جسے ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ شام کی طرف نکلے، جب سرغ(۱) میں پہنچے تو اجناد(۲) کے لوگوں نے ان سے ملاقات کی، ابوعبیدہؓ بن جراح اور ان کے رفقا بھی حضرت عمرؓ سے اسی مقام پر ملے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ شام میں وبا پھیلی ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مہاجرین اولین کو بلاؤ۔ چنانچہ میں نے ان کو بلایا تو حضرت عمرؓ نے انہیں شام میں وبا پھیلنے کی خبر دی اور اس سلسلے میں ان سے مشورہ لیا، لیکن ان کا آپس میں اختلاف ہوگیا۔ کسی نے کہا کہ آپ ایک کام کے لیے نکلے ہیں تو اب واپس لوٹنا مناسب نہیں اور کسی نے کہا کہ آپ کے ساتھ وبا سے بچے ہوئے لوگ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بھی ہیں، ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ انہیں وبائی علاقے میں لے جایا جائے۔ انہیں آپؓ نے رخصت کیا اور فرمایا کہ انصار کو بلاؤ۔ میں نے انہیں بلایا اور حضرت عمرؓ نے ان سے مشورہ لیا۔ ان میں بھی مہاجرین کی طرح اختلاف رائے پیدا ہوا اور حضرت عمرؓ نے انہیں بھی رخصت کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ فتح مکہ کے وقت ہجرت کرنے والے اکابرین قریش کو بلایا جائے۔ میں نے انہیں بلایا، ان سب نے اتفاق رائے سے کہا کہ ہمارا مشورہ تو یہ ہے کہ آپ اس وبائی علاقے میں نہ جائیں بلکہ واپس ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے اعلان کرایا کہ میں کل صبح واپس جا رہا ہوں۔ لوگ صبح حضرت عمرؓ کے پاس گئے تو حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہو؟ چونکہ حضرت عمرؓ کو ابوعبیدہؓ سے اختلاف ناپسند تھا اس لیے فرمایا کہ کاش! یہ بات کسی اور نے کہی ہوتی۔ ہاں! ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ فرمایا کہ کیا خیال ہے اگر تمہارا کوئی اونٹ کسی وادی میں چلا جائے جس کے دو حصے ہوں، ایک

(۱) شام سے متصل حجاز کے کنارے پر ایک بستی ہے۔

(۲) مراد شام کے پانچ شہر ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرسبز ہو اور دوسرا خشک اور اگر آپ سرسبز جگہ چرائیں تو کیا یہ اللہ کی تقدیر سے نہیں ہوگا؟ اور خشک جگہ میں چرائیں تو کیا یہ بھی اللہ کی تقدیر کا معاملہ نہیں ہوگا؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جو اپنے کسی ضروری کام سے گئے ہوئے تھے اور اس گفتگو کے دوران موجود نہیں تھے، جب واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ اس مسئلے کا میرے پاس حل ہے: ''میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: '' جب تم سنو کہ فلاں علاقے میں وبا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور اگر تمہارا قیام ایسے علاقے میں ہے جہاں وبا پھیل گئی ہو تو وہاں سے نکل کر باہر مت بھاگو''۔ حضرت عمرؓ نے حدیث سے حل ملنے پر اللہ کا شکر ادا کیا اور واپس ہو گئے۔(۱)

حفظ حدیث میں فرق مراتب کا یہ سلسلہ صحابہ کرامؓ کے بعد تابعینؒ اور ان کے بعد آنے والے علما وفقہا میں بھی قائم رہا، کیونکہ جب صحابہ کرامؓ مختلف مفتوحہ علاقوں میں پھیل گئے اور وہیں انہوں نے بود و باش اختیار کر لی اور احادیث کی نشر و اشاعت اور تبلیغ دین کا کام شروع کیا تو ان میں سے ہر ایک نے وہی مسئلہ بیان کیا جو اس نے سنا تھا اور بعض اوقات ان کے پاس وہ احادیث نہیں پہنچی ہوتی تھیں جو دوسروں تک پہنچی ہوتی تھیں۔

جب خلیفہ ابوجعفر منصور نے مؤطا کو اپنی پوری مملکت میں بطور اسلامی قانون نافذ کرنے کی خواہش امام مالکؒ کے سامنے ظاہر کی تو امام صاحبؒ نے فرمایا: آپ کو اس کا کوئی حق نہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ کی جماعت مختلف علاقوں میں پھیل چکی ہے، انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں احادیث بیان کی ہیں۔ اور اس علاقے کے لوگوں کے پاس وہ احادیث موجود ہیں، جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی ہے:

إختلاف أمتي رحمةٌ (۲)

(۱) صحيح مسلم، كتاب السلام، حديث نمبر: ۲۲۱۹، صحيح بخاري، كتاب الطب، تيسواں باب

(۲) تاريخ فقه اسلامي، ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ (۲۰۱)، اس حدیث اختلاف امتي رحمة

بقیہ اگلے صفحے پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(میری امت کا اختلاف رحمت ہے)۔

حدیث سے آگاہی میں فرقِ مراتب کا فقہی مسائل کے اختلاف پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ ان میں سے چند مسائل کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے:

حالت جنابت میں صبح ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا

صحیح مسلم کی روایت ہے، ابوبکر بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو فرماتے سنا ہے کہ جس پر فجر کا وقت حالت جنابت میں آ گیا اس کا روزہ نہیں ہے۔ میں نے اس کا تذکرہ اپنے والد عبدالرحمٰن سے کیا تو انہوں نے اس کی تردید کر دی۔ میں اور والد محترم حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا تو ان دونوں نے بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت تک جنبی رہ جاتے تھے اور روزے سے ہوتے تھے اور یہ جنابت کی حالت احتلام کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی۔

صحیح مسلم (۱) میں عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ کو جب اس بات کا علم ہوا کہ عبداللہ بن عمر عورتوں کو بوقت غسل بال کھولنے کا حکم دیتے ہیں، تو فرمایا: تعجب ہے ابن عمرؓ کے لیے کہ عورتوں کو یہ حکم کیوں نہیں دیتے کہ عورتیں اپنے بال منڈوالیں۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک برتن میں غسل کرتی اور اپنے سر پر تین چلو سے زائد پانی نہ ڈالتی تھی۔

کے بارے میں علامہ سیوطی الجامع الصغیر میں لکھتے ہیں کہ نصر المقدسی نے الحجة اور علامہ بیہقی نے الرسالة الأشعرية میں اسے بغیر سند ذکر کیا ہے۔ علامہ دیلمی، قاضی حسین، امام الحرمین اور دیگر علما نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی تخریج حفاظ حدیث کی کچھ کتابوں میں ہوئی ہو اور وہ ہم تک نہ پہنچ سکی ہو، الجامع الصغیر کے شارح علامہ عزیزی اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: بات یہی ہے بیہقی نے اسے المدخل میں اور دیلمی نے الفردوس میں ابن عباسؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے لیکن الفاظ یہ ہیں: ''اختلاف اصحابی رحمة'' شیخ کا کہنا ہے کہ حدیث ضعیف ہے۔ دیکھیے: الجامع الصغیر اور مذکورہ کتاب کی شرح شرح العزیزی۔

(۱) صحیح مسلم، ۱:۱۷۹، حدیث نمبر ۳۳۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسرا سبب: حدیث کے ثبوت میں شبہ

جب اصحاب رسول کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ذکر کی جاتی تو وہ اس کا ثبوت مانگتے۔

متعدد واقعات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ صحابہ کرامؓ عمل کرنے سے پہلے حدیث کی تحقیق کرلیا کرتے تھے۔ جہاں واضح ثبوت مل جاتا اس پر عمل کرتے اور جس مقام پر ثبوت کے لیے واضح قرائن نہ ملتے عدم یقین کی بنیاد پر اس پر عمل نہیں کرتے تھے، بلکہ توقف اختیار کرتے یا دیگر دلائل کی بنیاد پر جو طریقہ مناسب ہوتا اسے اختیار کرتے۔ اصحاب رسول کے بعد ائمہ کا طرز عمل بھی یہی رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی حدیث کے ثبوت میں ظاہری شک ان اسباب میں سے ہے جو فقہا کے درمیان اختلاف کا ذریعہ بنے ہیں۔

(۱) طلاق بائن والی عورت کی رہائش اور خرچ کا مسئلہ

وہ عورت جسے طلاق بائن ہو جائے (۱) اس کا خرچ اور رہائش خاوند کے ذمے ہے یا نہیں، یہ مسئلہ فقہا کے درمیان اختلافی ہے کہ آیا دونوں چیزیں خاوند پر واجب ہیں، یا دونوں میں سے ایک بھی نہیں ہے، یا رہائش اور خرچ میں سے کوئی ایک چیز واجب ہے۔

حضرت عمرؓ مطلقہ عورتوں کے بارے میں نازل ہونے والی آیت کے عموم سے یہ استدلال کرتے تھے کہ بائنہ عورت کو رہائش اور خرچ دونوں ملیں گے۔ قرآن کریم کی آیت یہ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا ٱلْعِدَّةَ وَٱتَّقُوا ٱللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ. (النساء ۱۹:۴)

---

(۱) النهاية، ابن الاثير، ۱:۵۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اے نبیؐ! جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور خدا سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرو۔ ایام عدت میں ان کو اپنے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، الا یہ کہ وہ صریح بے حیائی کریں۔ یہ خدا کی حدیں ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلقہ عورت کو رہائش کی سہولت دینا شوہر پر واجب ہے، جب طلاق دینے والے کے گھر میں اس کا ٹھہرنا ضروری ہے تو اس ٹھہرنے کی وجہ سے اس کا خرچ بھی واجب ہوگا۔ یہ بات اس آیت کے اقتضا سے معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ آیت طلاق رجعی والی عورت کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر طلاق شدہ عورت کے حق میں ہے، خواہ اسے طلاق بائن دی گئی ہو یا طلاق رجعی۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کو فاطمہؓ بنت قیس کی یہ حدیث پہنچ چکی تھی کہ ان کے شوہر نے انہیں تین طلاقیں دیں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رہائش دلائی اور نہ خرچ (۱) اس حدیث کے ثبوت اور صحیح ہونے کے سلسلے میں حضرت عمرؓ مطمئن نہیں ہو سکے۔

امام مسلم، ابو اسحاق سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں مسجد اعظم میں اسود بن یزید کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور ہمارے ساتھ شعبیؒ بھی تھے۔ شعبیؒ نے فاطمہؓ بنت قیس کی یہ حدیث نقل کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خرچ اور رہائش نہیں دلائی، اسود بن یزید نے ہاتھ میں کچھ کنکریاں لے کر ان کی طرف پھینکیں اور کہا، تمہارا ناس ہو جائے اس طرح بیان کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے تو کہا تھا کہ ہم اللہ کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (۲) کو ایک عورت کے کہنے پر نہیں چھوڑ سکتے، معلوم نہیں کہ اس نے بات یاد رکھی ہے یا بھول گئی ہے، اسے نفقہ

(۱) صحیح مسلم، کتاب الطلاق، ۴:۱۹۸، حدیث نمبر ۱۴۸۰

(۲) فتح الباری میں ہے کہ یہاں سنت رسول سے مراد وہ سنت ہے جس پر کتاب اللہ کے احکام رہنمائی کرتے ہیں، اس سے حضرت عمرؓ کی مراد کوئی مخصوص سنت نہیں ہے۔ (فتح الباری، ۹:۳۸۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور رہائش دونوں ملیں گے، ارشاد ربانی ہے: لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ م بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ۔(۱)

(ب) پانی دستیاب نہ ہونے یا استعمال پر عدم قدرت کے باعث تیمّم کی اجازت

حضرت عمرؓ بن خطاب اور عبداللہؓ بن مسعود کا مذہب یہ تھا کہ اگر کسی کو حالتِ جنابت میں پانی نہ ملے تو وہ تیمّم کر سکتا ہے لیکن غسل کے بغیر نماز نہیں پڑھ سکتا خواہ اسے طویل وقت تک انتظار کیوں نہ کرنا پڑے۔ وہ حضرت عمار بن یاسرؓ کی حدیث سے مطمئن نہیں ہوئے تھے۔

صحیحین میں عبدالرحمٰن بن ابزٰی کی روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں جنبی ہو گیا ہوں اور پانی بھی دستیاب نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ نماز نہیں پڑھ سکتے ہو۔ حضرت عمار بن یاسرؓ نے کہا: ''اے امیر المومنین! کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ جب ہم دونوں ایک جنگی مہم پر تھے اور جنبی ہو گئے تھے تو پانی نہیں تھا۔ آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی لیکن میں زمین پر لوٹ پوٹ ہو گیا تھا اور پھر نماز پڑھ لی تھی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے اتنی بات بھی کافی تھی کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مار کر انہیں پھونکتے اور پھر اپنے چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لیتے''۔

حضرت عمرؓ نے عمارؓ سے کہا: اے عمار! خدا کا خوف کرو، اور عمارؓ نے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں تو میں نہیں بیان کروں گا۔ ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے عمار بن یاسرؓ سے فرمایا: یہ معاملہ ہم آپ پر چھوڑ دیتے ہیں۔(۲) (یعنی ذمہ دار آپ ہیں)۔

امام مسلمؒ نے اعمش اور شقیقؒ سے روایت کی ہے (الفاظ مسلم کے ہیں) کہ میں عبداللہؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس دوران ابوموسیٰؓ نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! اگر ایک شخص جنبی ہو جائے اور ایک ماہ تک پانی نہ ملے تو آپ کا کیا خیال ہے وہ نماز کس طرح ادا کرے؟

---

(۱) صحیح مسلم، ۴:۱۹۸، حدیث نمبر ۱۴۸۰

(۲) صحیح مسلم، کتاب التیمم، ۱:۱۹۳؛ صحیح بخاری حدیث نمبر ۳۶۸، کتاب التیمم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ صرف تیمم سے نماز نہیں پڑھ سکتا خواہ اسے ایک ماہ تک پانی نہ ملے۔ ابوموسیٰؓ نے فرمایا کہ پھر سورہ مائدہ کی اس آیت کا کیا مطلب ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا. وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا

(المائدہ ۵:۶)

(اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو نہا کر پاک ہو جایا کرو اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلا سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور اس سے منہ اور ہاتھ کا مسح کر لو۔)

عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: اگر اس آیت کی بنیاد پر لوگوں کو چھوٹ دے دی جائے تو پھر وہ پانی ٹھنڈا ہونے کی صورت میں بھی تیمم کرنے لگیں گے۔ ابوموسیٰؓ نے کہا: تم نے عمار کی حدیث نہیں سنی کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے ایک کام کے لیے بھیجا۔ میں جنبی ہو گیا اور پانی نہ ملا تو میں خاک میں اس طرح لیٹا جس طرح جانور لیٹتا ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور آپؐ سے بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تیرے لیے کافی تھا کہ اس طرح دونوں ہاتھوں سے کر لیتا، پھر آپؐ نے دونوں ہاتھ زمین پر ایک بار ملے اور بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر مارا، پھر ہتھیلیوں کی پشت اور منہ پر مسح کیا، ابن مسعودؓ نے کہا کہ تم جانتے ہو حضرت عمرؓ حضرت عمارؓ کی بات سے مطمئن نہیں ہوئے تھے۔(۱)

عمارؓ کی حدیث پر حضرت عمرؓ کے عدم اطمینان کی وجہ یہ تھی کہ عمارؓ نے حضرت عمرؓ سے بیان کیا کہ آپ بھی ساتھ موجود تھے اور حضرت عمرؓ کو یہ بات یاد نہیں تھی جس کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا، اس لیے حضرت عمرؓ نے حضرت عمارؓ کو یہ حدیث بیان کرنے سے منع نہیں کیا۔ صرف اتنا کہا کہ تمہاری روایت کا بوجھ تمہارے ہی اوپر ہے یعنی اگر یہ واقعہ مجھے یاد نہیں آ رہا تو ضروری نہیں کہ

(۱) صحیح مسلم، ۱:۱۹۲، حدیث نمبر ۳۶۸؛ صحیح بخاری، کتاب التیمم، آٹھواں باب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقیقت میں یہ واقعہ پیش ہی نہ آیا ہو، اس لیے مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میں آپ کو یہ حدیث بیان کرنے سے روکوں۔(۱)

کہا جاتا ہے کہ بعد میں جب یہ احادیث مشہور ہوگئی تھیں تو حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ نے اپنی اس رائے سے رجوع کرلیا تھا۔(۲)

چوتھا سبب: نص کے فہم اور اس کی تفسیر میں اختلاف

بعض اوقات کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں موجود کسی حکم کے مفہوم، مزاج اور روح کو سمجھنے میں فقہا کے درمیان اختلاف پیدا ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں ہر شخص جس مفہوم کو شریعت سے زیادہ ہم آہنگ سمجھتا ہے اسی کو اختیار کرلیتا ہے۔ اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

(أ) مال مشترک کی زکوٰۃ

اگر دو شخص مال کی ملکیت میں شریک ہوں اور ہر ایک کے پاس انفرادی طور پر مال نصاب زکوٰۃ سے کم ہو لیکن دونوں کا مال جمع کرنے سے وہ نصاب زکوٰۃ کی حد کو پہنچ جائے تو ایسی صورت میں اختلاف ہے کہ آیا یہ اشتراک نصاب پر بھی اثر انداز ہوگا۔ اور اس صورت میں دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں۔

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ جب دو شریک افراد پر زکوٰۃ واجب ہو تو دونوں ایسے زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے جیسے ایک شخص زکوٰۃ ادا کرتا ہے بلکہ مجموعی مالیت پر واجب ہوگی بشرطیکہ اس میں وہ تمام شرائط مکمل ہوں جو اشتراک کے لیے طے کی گئی ہیں، شرائط یہ ہیں:

(۱) مثلاً مال مویشی کی صورت میں دونوں کا پانی پلانے کا مقام ایک ہو۔ (۲) چراہ گاہ ایک ہو۔ (۳) باڑا ایک ہو۔ (۴) دودھ دوہنے کی جگہ ایک ہو۔ (۵) صحیح قول کے مطابق بیاہنے

---

(۱) فتح الباری، ۱:۳۱۲

(۲) شرح مسلم للنووی، باب التیمم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والا نر ایک ہو اور مویشیوں کا چرواہا ایک ہو۔ جبکہ صحیح قول کے مطابق مال کو مشترک رکھنے کی نیت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

منہاج میں ہے کہ اگر شرکا صاحب نصاب ہوں تو دونوں کے مجموعہ پر زکوٰۃ اسی طرح واجب ہوگی جیسا کہ ایک آدمی پر واجب ہے، بشرطیکہ شراکت کی جملہ شرائط موجود ہوں یعنی پانی، چراگاہ، باڑا، دودھ دوہنے کی جگہ ایک ہو۔ امام شافعیؒ کے صحیح ترین قول کے مطابق بیاہنے والا نر ایک ہو یا مشترکہ ہو اور چرواہا بھی ایک ہو، البتہ شراکت کی نیت صحیح قول کے مطابق ضروری نہیں ہے۔

پھلوں، زرعی پیداوار اور سامان تجارت میں اشتراک زکوٰۃ میں اثر انداز ہوگا بشرطیکہ باغ بان، کھلیان، دکان، چوکیدار اور پیداوار کو سٹور کرنے کی جگہ ایک ہو۔(۱)

حدیث نبویؐ ہے:

لا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدقَة، وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتراجعان بينهما بِالسَّوِيَّة (۲)

(متفرق مال کو جمع نہ کیا جائے اور اکٹھے مال کو جدا نہ کیا جائے، اس نیت سے کہ زکوٰۃ میں کمی بیشی ہو۔ اور جو مال دو شریکوں کے درمیان مشترک ہو وہ برابری سے ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کرلیں)۔

اس حدیث نبوی کی تشریح امام شافعیؒ نے اس طرح کی کہ اگر تین افراد ایک سو بیس بکریوں کے مشترک مالکان ہوں تو زکوٰۃ کی ادائیگی مجموعہ پر ہوگی یعنی ایک بکری لازم آئے گی، اور جب تین افراد میں سے ہر ایک کے حصے یعنی چالیس بکریوں سے الگ الگ وصول کی جائے تو تین بکریاں وصول کی جائیں گی یعنی فی حصہ ایک بکری۔ اس صورت میں حکم (یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والے کے

(۱) مغنی المحتاج ۱:۳۷۶-۳۷۸

(۲) صحیح بخاری، ۲:۱۲۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے ہدایت) یہ ہے کہ مجموعہ کو الگ الگ نہ کیا جائے (۱)۔ اس طرح ایک ہی بکری واجب ہوگی۔ حدیث میں بیان کردہ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر دو افراد میں سے ایک کے پاس سو بکریاں ہوں اور دوسرے کے پاس ایک سو ایک بکریاں ہوں تو مجموعہ پر تین بکریاں واجب ہوں گی اور الگ الگ دو دو بکریاں واجب ہوں گی۔ اس سلسلے میں ہدایت یہ ہے کہ ان الگ الگ حصوں کو جمع نہ کیا جائے بلکہ ہر ایک سے الگ زکوٰۃ وصول کی جائے۔

حدیث میں ''خوف'' سے مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے کو زکوٰۃ کی کمی کے خوف سے اور زکوٰۃ دینے والے کو زکوٰۃ کی زیادتی کے خوف سے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

حدیث کے دوسرے حصے **وما کان من خلیطین فانهما یتراجعان بینهما بالسویة** کی تشریح امام شافعیؒ نے یہ کی کہ مثلاً اگر دو افراد کے پاس سو بکریاں ہیں اور ہر ایک کا حصہ معلوم ہے تو کسی ایک کے حصے سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ جس کے حصے سے زکوٰۃ (بکری) وصول کی گئی ہے وہ دوسرے شریک سے بکری کی نصف قیمت وصول کر لے بشرطیکہ دونوں کے حصے برابر ہوں۔

لیکن اگر پہلے کے پاس کل مجموعے کا ایک تہائی ہو اور دوسرے شریک کے پاس دو تہائی ہو تو ایک تہائی کا مالک دو تہائی والے سے بکری کا دو تہائی وصول کرے گا، کیونکہ دو تہائی مقدار اس کی بکری سے لی گئی۔ یوں بشکل قیمت اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔ (۲)

امام احمدؒ بن حنبل کا بھی وہی مسلک ہے جو یہاں امام شافعیؒ کا بیان ہوا ہے۔

---

(۱) یعنی خطاب زکوٰۃ وصول کرنے والے سے ہے کہ وہ مجموعے سے زکوٰۃ وصول کرے ''الگ الگ حصے نہ کرے'' سے مذکورہ بالا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ زکوٰۃ زیادہ ہونے کے خوف سے نہ تو دو آدمی مصنوعی شراکت پیدا کر کے اسے اکٹھا کریں اور نہ عارضی طور سے علیحدہ کریں بلکہ جس حالت میں ہے اسی پر رہنے دیں۔ (مترجم)

(۲) الأم ۲: ۱۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احناف کا مذہب یہ ہے کہ صرف اختلاط (یعنی مال اکٹھا ہو لیکن ملکیت الگ الگ ہو) کا نصاب زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ شراکت سے قبل جتنی زکوٰۃ واجب ہوگی اتنی ہی شراکت کے بعد بھی واجب ہوگی۔ کسی شریک کے نصاب زکوٰۃ میں محض مال کے اکٹھا ہونے کی وجہ سے فرق نہیں پڑے گا۔

احناف مذکورہ حدیث لا یَجْمَعُ بین مُتَفَرِّق کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ اس مال مویشی کو ایک جگہ جمع نہ کیا جائے جس کے مالکان الگ الگ ہیں۔ دو آدمیوں میں سے ہر ایک کے پاس چالیس چالیس بکریاں ہوں تو انہیں اس مقصد کے لیے ایک جگہ جمع نہ کیا جائے کہ زکوٰۃ میں ایک بکری دی جا سکے، اسی طرح کسی ایک شخص کے پاس نصاب کی مقدار تک بکریاں پہنچ جائیں تو وہ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے انہیں الگ الگ نہ کرے۔ اور اگر کسی کی ملکیت میں اسّی (۸۰) بکریاں ہیں تو اس سے دو بکریاں وصول کرنے کے لیے بھی الگ الگ نہ کیا جائے۔

وما کان من الخلیطین ۔۔۔ کی تشریح ''شریکین'' سے کی گئی ہے کیونکہ ملکیت مشترکہ ہو تو مقدار ملکیت کے مطابق شرکا ایک دوسرے سے وصول کر لیں۔(۱)

امام مالکؒ کے نزدیک شراکت کی صورت میں مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ ابتدا میں ہر ایک صاحب نصاب ہو اور اس پر زکوٰۃ واجب ہو۔

مؤطا امام مالک میں ہے: ''امام مالکؒ نے فرمایا کہ شرکا پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب تک کہ ان میں سے ہر ایک صاحب نصاب نہ ہو۔ زکوٰۃ صرف اسی پر واجب ہوگی جو نصاب کا مالک ہو اور جس کے پاس نصاب سے کم ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، مثلاً ایک شریک کے پاس چالیس یا اس سے زائد بکریاں ہیں اور دوسرے کے پاس چالیس سے کم ہیں تو زکوٰۃ صرف چالیس والے پر ہے۔ جب ہر ایک صاحب نصاب ہو جائے تو پھر زکوٰۃ مجموعے سے

(۱) المبسوط ۲:۱۵۴، فتح الباری ۳:۲۰۳، نیل الاوطار ۴:۱۳۹، بدایۃ المجتہد، ص ۲۶۳-۲۶۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وصول کی جائے گی۔ بکریاں اکٹھی کی جائیں گی اور پھر مجموعے سے وصولی ہوگی۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ خطاب لا یَجْمَعُ بین مُتَفَرِّقٍ مال مویشی کے مالکان سے ہے"۔

امام مالکؒ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر تین افراد میں سے ہر ایک کے پاس چالیس چالیس بکریاں ہوں تو ہر ایک کو ایک بکری ادا کرنا ہوگی لیکن اگر وہ زکوۃ وصول کرنے والے کی آمد پر انہیں اکٹھا کر دیں تو ایک ہی بکری ادا کرنا پڑے گی۔ اس بات سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ افراد کی شراکت ہے اور ہر ایک کی ایک سو ایک بکریاں ہیں تو مجموعے سے تین بکریاں وصول کی جائیں گی لیکن زکوۃ وصول کرنے والے کی آمد پر وہ انہیں الگ الگ کر دیں تو اس صورت میں صرف ایک ایک بکری ادا کرنا ہوگی، حدیث میں اس سے بھی روکا گیا ہے۔(۱)

(ب) مجاہدین کے درمیان ایسی زمین کی تقسیم جو بزورِ شمشیر فتح کی گئی ہو

نص کے فہم اور تفسیر میں اختلاف کی مثال مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کے مسئلے سے بھی واضح ہوتی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں جب عراق و مصر کے علاقے فتح ہوئے تو حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ مفتوحہ زمینیں اصل مالکان کے قبضے میں باقی رکھی جائیں اور ان پر خراج (ٹیکس) لگا دیا جائے، تاکہ اس قسم کے محاصل کو ہر دور میں مسلمانوں کے مفادِ عامہ میں خرچ کیا جا سکے اور تمام مسلمان اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اِس مسئلے میں حضرت عمرؓ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ سورہ انفال کی آیت میں سورہ حشر کی آیت سے تخصیص ہوئی ہے، سورہ حشر کی آیت:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (الحشر ۵۹:۱۰)

(اور ان کے لیے بھی) جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ اے

(۱) مؤطا، ۱:۲۶۳-۲۶۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروردگار! ہمارے اور ہمارے ان بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ سورہ انفال کی آیت

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (الانفال ۸:۴۱)

(اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) لوٹ کر لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اہل قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے)۔

یعنی خمس کے بعد مال غنیمت میں بعد میں آنے والے لوگ بھی شامل ہیں۔ حضرت عمرؓ کی رائے میں سورۂ انفال اور سورۂ حشر دونوں کی آیات کا تعلق ایک ہی موضوع یعنی مال غنیمت سے ہے اور والذین جاؤوا من بعدھم 'کا عطف' ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری..... پر ہے۔

ابتدا میں جمہور صحابہ کرامؓ کی رائے یہ تھی کہ مفتوحہ زمینوں کو بھی مال منقولہ کی طرح مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔ ان کا استدلال سورہ انفال کی آیت ۴۱ سے تھا اور اس سے بھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے مفتوحہ علاقوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔ جمہور صحابہؓ کی رائے یہ تھی کہ سورہ حشر کی آیت کا انفال کی آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ ان دونوں کا موضوع مختلف ہے۔ سورہ انفال کی آیت مال غنیمت سے متعلق ہے، مال غنیمت وہ مال ہے جسے مجاہدین دشمن سے بزور جنگ حاصل کریں۔ جب کہ سورہ حشر کی آیات میں مالِ فَے کے احکام ہیں۔ فَے وہ مال ہے جو بغیر جنگ کیے صلح کے نتیجے میں حاصل ہو۔ حضرت عمرؓ صحابہ کرام سے اس مسئلے میں مسلسل بحث مباحثہ کرتے رہے جس کے نتیجے میں اکثریت مطمئن ہو گئی لیکن صحابہؓ کی ایک قلیل تعداد پھر بھی مطمئن نہیں ہوئی۔ ان حضرات میں سرفہرست حضرت بلالؓ تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب عراق بزور قوت فتح کر لیا تو فاتح مجاہدین نے مطالبہ کیا کہ دیگر مال غنیمت کی طرح زمینیں بھی تقسیم کی جائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ تقسیم کے حق میں نہیں تھے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کا مفاد اس میں تھا کہ زمینوں کو مقامی باشندوں کے قبضے میں رہنے دیا جائے۔ حضرت عمرؓ سے لوگوں نے کافی بحث کی اور کہا: اللہ نے جو علاقے ہمیں ہماری تلواروں کے بل پر عطا کیے ہیں ان کو کیا آپ ایسے لوگوں کے لیے روک رکھیں گے جو نہ تو موجود تھے نہ جنگ میں شریک ہوئے۔

حضرت عمرؓ نے مہاجرین اولین کو جمع کر کے مشاورت کی۔ ان کی اکثریت ان اراضی کی تقسیم کے حق میں تھی، البتہ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور معاذؓ بن جبل کی رائے حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق تھی۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا: اے امیر المومنین! اگر آپ اس وسیع و عریض علاقے کو ان لوگوں میں تقسیم کر دیں گے تو یہ فرد واحد کے ہاتھ میں ضائع ہو جائیں گے اور آئندہ اسلام میں داخل ہونے والوں کا راستہ بھی بند ہو جائے گا اور ان کے لیے مسائل پیدا ہوں گے، آپ ایسا فیصلہ کریں جس میں موجودہ اور آئندہ سب مسلمانوں کے لیے گنجائش ہو۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف تقسیم کے حق میں تھے، انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا: ''انہیں اللہ تعالیٰ نے زمین اور دہقان ہی تو عطا فرمائے ہیں۔'' جب فاتحین کا اس پر اصرار ہوا کہ مفتوحہ علاقوں کو تقسیم کیا جائے تو آپ نے اوس وخزرج (دونوں قبائل) کے اکابر واشراف میں سے پانچ پانچ افراد کو بلا بھیجا۔ جب یہ لوگ جمع ہو گئے تو آپؓ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا: ''میں نے آپ حضرات کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ میرے کاندھوں پر آپ کے معاملات کی جو ذمہ داری ہے، اس میں آپ میرا ہاتھ بٹائیں کیونکہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ آج آپ کو حق متعین کرنا ہوگا۔ بعض لوگوں نے مجھ سے اختلاف کیا ہے اور بعض نے اتفاق، میں نہیں چاہتا کہ آپ حضرات وہی رائے قبول کریں جو میں نے اختیار کی ہے۔ آپ کے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے جو حق بیان کرتی ہے۔ اللہ کی قسم! اگر میں نے کوئی بات کہی ہے جس پر عمل کا ارادہ رکھتا ہوں تو اس سے میرا ارادہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوائے اتباع حق کے اور کچھ نہیں ہے۔ ان لوگوں نے کہا: امیر المومنین! آپ فرمایئے، ہم سنیں گے اور غور کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا: آپ حضرات نے ان لوگوں کی باتیں سن لی ہیں جن کا خیال ہے کہ میں ان کی حق تلفی کر رہا ہوں۔ میں ظلم کے ارتکاب سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، اگر میں نے کوئی ایسی چیز جو ان لوگوں کا حق تھا، دوسروں کو دی ہو تو میں بڑا ہی بد بخت ہوں گا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ کسریٰ کی زمین کے بعد اب کوئی چیز نہیں رہ گئی جو فتح ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کاشت کار، اموال اور زمینیں ہمیں بطور مال غنیمت عطا فرما دیے ہیں۔ ان مجاہدین کو مال غنیمت میں جو ملا تھا وہ میں نے بانٹ کر دیا ہے اور پانچواں حصہ نکال کر اسے مصارف میں تقسیم کر دیا ہے، بلکہ ابھی اس کی تقسیم میں مصروف ہوں، میری رائے یہ ہے کہ زمینوں کو کاشت کاروں کے ہمراہ سرکاری ملکیت قرار دے دوں اور کاشت کاروں پر ٹیکس عائد کر دوں اور ان پر فی کس جزیہ عائد کر دوں جسے وہ ادا کرتے رہیں۔ اس طرح یہ خراج اور جزیہ مسلمانوں کے کام آتا رہے گا اور اس کی آمدنی میں مجاہدین، بچے اور آنے والی نسلیں حصہ دار ہوں گی۔ غور کیجیے! ان سرحدوں کی حفاظت کے لیے بہر حال مجاہدین تعینات کرنے ہوں گے جو وہاں رہیں۔ یہ بڑے بڑے شہر جیسے شام، الجزائر، کوفہ، بصرہ، مصر وغیرہ ان میں فوجی چھاؤنیاں قائم کرنا ہوں گی، اور فوجیوں کو وظائف دینا ناگزیر ہے۔ اب اگر یہ زمینیں اور کاشت کار تقسیم کر دیے جائیں تو ان لوگوں کے مصارف کہاں سے لائیں گے۔

یہ سن کر سب نے کہا: ''آپ ہی کی رائے درست ہے، آپ نے جو فرمایا ہے وہ خوب ہے اور بہت موزوں ہے۔ اگر ان شہروں اور سرحدوں میں افواج نہیں رکھی جائیں گی اور ان کے لیے کچھ مقرر نہیں کیا جائے گا تو اہل کفر اپنے شہروں پر پھر سے قابض ہو جائیں گے''۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب معاملہ واضح ہو گیا ہے اور دلیل کے طور پر سورہ حشر کی آیات پیش کیں:

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ .... رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ (الحشر ۵۹: ۷-۵)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(اور جو مال اللہ نے ان کے قبضے سے نکال کر اپنے رسول کی طرف پلٹا دیے وہ ایسے مال نہیں ہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے یا اونٹ دوڑائے ہوں، بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے تسلط عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو کچھ بھی اللہ ان بستی کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے، وہ اللہ اور رسول اور رشتے داروں اور یتیموں اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے، تاکہ وہ تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرے۔ جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رُک جاؤ، اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (نیز وہ مال) ان غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے اموال سے نکال باہر کیے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ یہی راست باز لوگ ہیں (اور وہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے۔ یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی تنگی یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ وہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں (اور ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان اگلوں کے بعد آئے ہیں۔ جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! تو بڑا مہربان اور رحیم ہے)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان آیات کی تفسیر حضرت عمرؓ نے ترتیب وار بیان کی ہے۔

محمد بن اسحاق، امام زہریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب یہ علاقے فتح کیے تو عام صحابہ کرام کا خیال یہی تھا کہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی جائیں لیکن حضرت عمرؓ تقسیم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کم وبیش دو تین دن اس طرح گزر گئے، پھر آپؓ نے فرمایا کہ مجھے دلیل مل گئی ہے۔ اللہ نے اپنی کتاب مقدس میں فرمایا ہے: وما افآء اللّٰہ (الحشر ۵۹:۶)

یہ آیت واقعہ بنونضیر سے متعلق ہے اور جب آپ بنونضیر کے معاملے سے فارغ ہو گئے اور ان کا قصہ تمام ہو چکا تو اب یہ اگلی آیت تمام بستیوں کے لیے عام ہے:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ..... اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (الحشر ۵۹:۷) پھر فرمایا لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحشر ۵۹:۸) اللہ تعالیٰ اتنا ہی کہہ کر راضی نہیں ہوا بلکہ مزید وضاحت فرمائی، تا آنکہ ان لوگوں کے ساتھ کچھ اور لوگوں کو بھی شامل کر لیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا: وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ. وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر ۵۹:۹) چنانچہ یہ آیت جیسا کہ ہمیں معلوم ہے--- واللہ اعلم--- خاص طور پر انصار کی شان میں ہے، پھر اللہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ایک اور گروہ کو بھی ان کے ساتھ شامل کر دیا اور فرمایا: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (الحشر ۵۹:۱۰) چنانچہ یہ آیت انصار و مہاجرین کے بعد آنے والے تمام لوگوں کے لیے عام ہے۔ اب یہ مال فے ان تمام لوگوں کا مشترکہ حق بن چکا ہے اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اسے انہی لوگوں میں تقسیم کر دیں اور بعد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں آنے والے لوگوں کو ان کے حصے سے محروم کر دیں۔ حضرت عمرؓ کی اس بات پر سب نے اتفاق کر لیا کہ مفتوحہ اراضی تقسیم نہ کی جائے اور خراج وصول کیا جائے۔(۱)

اس مسئلے میں یہ اختلاف صحابہ کرام ہی تک محدود نہ رہا، بلکہ فقہا کی آراء پر بھی اس کا اثر ہوا اور اس مسئلے میں مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آئے۔

امام شافعیؒ: امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ مال غنیمت خواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ، اسے بہر حال مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ ان کی دلیل سورہ انفال کی آیت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ خیبر میں حاصل ہونے والے مال کو تقسیم کرنا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سورۂ حشر کی آیات کا مصداق مال فَے ہے جو بغیر جنگ کے حاصل ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کے عمل کی دو توجیہات بیان کرتے ہیں:

(۱) یہ کہ حضرت عمرؓ نے مجاہدین کو جو حق دار تھے راضی کرنے کی کوشش کی اور جب وہ راضی ہو گئے تو انہوں نے زمینوں کو وقف کر دیا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے قیدیوں کے بارے میں کیا تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی راضی ہو گئے تو قیدی واپس کر دیے گئے جیسا کہ ابن جریرؒ نے نقل کیا ہے۔

(۲) حضرت عمرؓ نے مفتوحہ علاقوں کی زمینیں اس لیے تقسیم نہیں کیں کہ وہ فَے کے طور پر ملی تھیں، لہٰذا اس معاملے میں کسی کی رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔(۲) یہی مذہب امام احمدؒ کا بھی ہے۔(۳)

امام مالکؒ: امام مالکؒ کے نزدیک مذکورہ قسم کی زمین مجاہدین میں تقسیم نہیں کی جائے

---

(۱) کتاب الخراج، امام ابو یوسفؒ؛ تاریخ الفقه الاسلامی، ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ (۶۵ اور مابعد)؛ تفسیر قرطبی سورہ انفال وحشر؛ بداية المجتهد، ۲:۴۰۱؛ المبسوط، علامہ سرخسی، ۱۰:۱۶

(۲) مغنی المحتاج، ۳:۱۰۲؛ القرطبی، ۸:۵

(۳) المغنی، ابن قدامہ، ۸:۴۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گی، بلکہ سرکاری ملکیت ہوگی اور اس کی آمدنی مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ضروریات میں خرچ کی جائے گی، البتہ حاکم وقت محسوس کرے اور مصلحت ہو تو اسے تقسیم کا اختیار ہے۔(۱)

امام ابوحنیفہؒ: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جنگ کے ذریعے فتح کیے گئے علاقوں کی تقسیم میں حاکم وقت کو اختیار ہے، چاہے تو تقسیم کر دے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کو کیا اور چاہے تو سابقہ مالکان کے پاس رہنے دے اور ان پر جزیہ عائد کر کے ان کی زمینوں سے خراج وصول کرے۔(۲)

پانچواں سبب: لفظ کا مشترک ہونا

معنی پر دلالت کے اعتبار سے عربی میں لفظ کی متعدد اقسام ہیں۔ان میں سے چند یہ ہیں:

مشترک: مشترک وہ لفظ ہے جسے دو یا دو سے زائد معانی میں سے ہر ایک کے لیے وضع کیا گیا ہو۔مثلاً عین عربی میں آنکھ، لڑکی، ہر موجود چیز، کسی پسندیدہ چیز۔سونا۔کسی ذات اور دیگر متعدد معانی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

لفظ جون سفید اور سیاہ قرء کا لفظ طہر اور حیض دونوں معنوں میں بولا جاتا ہے۔لفظ مولیٰ مالک، قریب، پڑوسی، حلیف اور اس کے علاوہ دیگر معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

لفظ میں اس نوعیت کا اشتراک، اسما اور افعال دونوں میں پایا جاتا ہے مثلاً عسعس کا استعمال ''آنے'' اور ''واپس جانے'' میں ہوتا ہے۔لفظ قضی کبھی فیصلہ کے معنی میں آتا ہے مثلاً:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء۴:۶۵)

(سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ کو منصف نہ مان

(۱) بداية المجتهد، ۲:۴۰۱

(۲) الهداية، ۴:۳۰۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیں اس جھگڑے میں جوان میں اٹھے، پھر نہ پائیں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلے سے اور قبول کرلیں خوشی سے)۔

اور قضی بمعنی ''حکم دینا اور لازم کرنا'' بھی آتا ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا. (الاسراء ۱۷:۲۳)

(ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں)۔

یہاں قضی حکم دینے کے معنی میں ہے۔ اور اسی طرح قضی بمعنی ''خبر دینا اور بتانا'' بھی آتا ہے، مثلاً

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ (الاسراء ۱۷:۴)

(ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں واضح طور پر بتا دیا)۔

یہاں قضینا کا معنی ہے ''ہم نے بتایا''۔ ان کے علاوہ دیگر معانی کے لیے بھی آتا ہے۔

اس قسم کا اشتراک حروف میں بھی ہے مثلاً من ''کسی چیز کے آغاز اور ابتدا'' کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا (الاسراء ۱۷:۱)

(پاک ہے وہ ذات جو رات اپنے بندے کو لے گئی مسجد حرام سے مسجد اقصا تک)

''من'' تبعیض یعنی ''بعض'' کے معنی میں آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران ۳:۹۲)

(ہرگز حاصل نہ کرسکو گے نیکی میں کمال جب تک اپنی عزیز چیز سے کچھ خرچ نہ کرو)۔

یعنی اپنی بعض محبوب چیزیں اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔ اور ایک قراءت بعض ما تحبون بھی ہے۔ من بعض اوقات بیان جنس کے لیے بھی آتا ہے، مثلاً یہ آیت:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ (الحج ۲۲:۳۰) (بتوں کی گندگی سے بچو)

یہاں گندگی کی وضاحت بتوں سے کی گئی ہے۔

اس کا استعمال بدل کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ مثلاً

أَرَضِيتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ (التوبۃ ۹:۳۸)

(کیا تم نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا ہے)

یعنی آخرت کے بدلے میں۔ من کا استعمال اس کے علاوہ دیگر معنوں میں بھی ہوتا ہے۔

اسی طرح با کبھی سبب، کبھی الصاق اور کبھی مصاحبت اور تبعیض کے معانی میں استعمال ہوتی ہے۔ سبب کی چند مثالیں یہ ہیں:

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ (العنکبوت ۲۹:۴۰) (پس ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے سبب پکڑا) قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ (ھود ۱۱:۴۸) (کہا گیا: اے نوح! اتر جاؤ سلامتی کے ساتھ) ہیں۔ بسلام بمعنی مع سلام ہے۔ چونکہ قرآن مجید اور سنت مطہرہ میں مختلف مقامات پر مشترک الفاظ کا بھی استعمال ہوا ہے تو اس بنا پر بھی احکام ومسائل میں فقہا، صحابہ کرام اور دیگر علما کے مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آئے۔

یہاں اختلاف مشترک لفظ سے شارع کی مراد کے تعین میں ہوا، جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) خشکی کے شکار کا محرم کے لیے جواز

محرم کے لیے حالت احرام میں شکار کا گوشت کھانے کے جواز میں اختلاف کا سبب لفظِ مشترک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا (المائدہ ۵:۹۶)

(اور حرام کر دیا گیا تم پر خشکی کا شکار جب تک تم حالت احرام میں ہو)۔

لفظ صید کا اطلاق لغت میں "شکار اور شکار کرنے کے عمل" دونوں پر ہوتا ہے۔ المصباح میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی لغوی تحقیق اس طرح ہے: صاد الرجل الطیر (آدمی نے پرندے کا شکار کیا)۔ وسمی ما یصاد صیدا (اور جس کو شکار کیا جاتا ہے اسے بھی صید کہا جاتا ہے)۔

حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، عائشہؓ، ابن عباسؓ (۱) لیثؒ، سفیان ثوریؒ، اسحاقؒ اور ہادویہ (۲) کا مسلک یہ ہے کہ الصید سے مراد شکار کیا ہوا جانور ہے۔ اس لیے اس کا کھانا حالت احرام میں درست نہیں ہے خواہ شکار کرنے والا حالت احرام میں ہو یا نہ ہو۔

ان حضرات کے مسلک کی تائید صعب بن جثامہ کی حدیث سے ہوتی ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ مقام "ابوا" یا "ودان" میں تھے تو آپؐ کو ایک جنگلی گدھا تحفے میں دیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اسے واپس لوٹا دیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابیؓ کے چہرے کو دیکھا تو آپؐ نے فرمایا: یہ ہم نے صرف اس لیے واپس کیا ہے کہ ہم حالت احرام میں ہیں۔ (۳) صحیح مسلم میں "جنگلی گدھے کے گوشت" کے الفاظ ہیں۔

حضرت عثمانؓ بن عفان اور جمہور فقہا کا مذہب یہ ہے کہ لفظ صید سے مراد 'شکار کرنا' ہے۔ ان فقہا کے مسلک کے مطابق اگر غیر محرم شخص نے شکار کر کے جانور محرم کو دے دیا تو محرم کے لیے اس کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ وہ شکار اس محرم شخص کے لیے نہ کیا گیا ہو۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک راہنمائی یا اشارے سے شکار کرنے میں مدد دینا بھی جائز نہیں ہے۔ اگر محرم نے شکار کرنے والے کی راہنمائی نہ کی ہو یا اشارہ کر کے شکار کی نشان دہی نہ کی ہو تو اس کے لیے خشکی کے شکار کا گوشت کھانا جائز ہے۔ اس مسلک کی تائید صحیح بخاری کی ایک روایت سے ہوتی ہے جس کے راوی عبداللہ بن ابی قتادہ ہیں۔ فرماتے ہیں: میرے والد یعنی ابوقتادہ صلح حدیبیہ کے سال حالتِ احرام میں نہیں تھے جب کہ ان کے دیگر ساتھی حالت احرام میں تھے۔ نبی اکرمؐ کو یہ اطلاع ملی تھی کہ مقام غیقہ میں دشمن ان کی تاک میں ہیں۔ حضور اکرمؐ روانہ ہو گئے۔ میرے والد اپنے

(۱) المغنی ابن قدامۃ، ۳:۳۱۲

(۲) نیل الاوطار، ۵:۲۰

(۳) صحیح بخاری، باب جزاء الصید؛ صحیح مسلم (۱۱۹۳)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھیوں کے ساتھ تھے، اچانک ان کے دیگر ساتھی ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ (میرے والد نے کہا) میں نے جو نظر اٹھائی تو ایک گورخر سامنے تھا، میں اس پر جھپٹا اور اسے نیزے سے ٹھنڈا کر دیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کی مدد چاہی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر ہم نے اس کا گوشت کھایا۔ اب ہمیں خطرہ پیدا ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں دور نہ رہ جائیں، چنانچہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنا شروع کیا۔ کبھی گھوڑے کو تیز کرتا اور کبھی آہستہ، آخر رات گئے بنو غفار کے ایک آدمی سے ملاقات ہوگئی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ اس نے بتایا کہ میں نے انہیں مقام تعہن میں چھوڑا ہے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تھا کہ مقام سقیا میں آرام فرمائیں (جب ہم پہنچ گئے) تو میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسولؐ! آپ کے ساتھی (جو پیچھے رہ گئے ہیں) آپ پر سلام اور رحمت بھیجتے ہیں، انہیں ڈر ہے کہ وہ کہیں بہت پیچھے نہ رہ جائیں، اس لیے آپ ان کا انتظار فرمائیں۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! میں نے ایک گورخر شکار کیا تھا اس کا کچھ گوشت بچا ہوا میرے پاس ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ کھاؤ، حالانکہ سب حالت احرام میں تھے۔ (۱)

ابن ماجہ کے علاوہ صحاح میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خشکی کا شکار حالت احرام میں تمہارے لیے جائز ہے بشرطیکہ تم نے خود نہ شکار کیا ہو یا تمہارے لیے نہ کیا گیا ہو۔'' (۲)

امام شافعیؒ نے صعبؓ بن جثامہ کی حدیث کی تاویل یہ کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھ کر گوشت واپس کر دیا کہ صعبؓ نے آپؐ کے لیے شکار کیا ہے۔ (۳)

---

(۱) صحیح البخاری، باب اذا صاد الحلال فاهدى للمحرم الصيد أكله

(۲) ترمذی (۸۴۶)؛ ابو داؤد کتاب الحج (۱۸۵۱)؛ النسائی، کتاب الحج

(۳) فتح الباری، ۴: ۲۲-۲۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) فساد برپا کرنے کی سزا

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ. ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ. فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (المائدہ ۵: ۳۳-۳۴)

(یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو، کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف سمت سے کاٹ دیے جائیں، یا دور کر دیے جائیں اس جگہ سے، یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے، مگر جنہوں نے توبہ کی، تمہارے قابو پانے سے پہلے، تو جان لو اللہ بخشنے والا مہربان ہے)۔

اس آیت میں أو کے معنی میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے کیونکہ أو کے متعدد معانی ہیں۔ ابن ہشام نے اس کے بارہ معانی ذکر کیے ہیں۔(۱) فرماتے ہیں: ''أو حرف عطف ہے۔ متأخرین نے اس کے بارہ تک معانی ذکر کیے ہیں''۔ معانی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض علما نے یہاں أو کو تخییر (دو چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حق حاصل ہونا) کے معنی میں لیا ہے مثلاً ان مثالوں میں أو تخییر کے لیے ہے۔

تزوج هندا او اختها (ہند سے یا اس کی بہن سے شادی کرو)

خذ من مالي درهما او دينارا (میرے مال سے درہم یا دینار لے لو)

(۱) مغني اللبيب، بحث ''أو''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض علما کے نزدیک آیت میں مذکور سزاؤں کے نفاذ میں حاکم کو اختیار ہے، تخریب کاری اور فساد کو ختم کرنے کے لیے جو سزا موزوں سمجھے وہ اسے نافذ کرسکتا ہے۔

یہ مسلک امام مالکؒ، داؤدؒ، سعیدؒ بن مسیّب، ابوثور، عطاءؒ اور حسن بصریؒ کا ہے۔

بعض دیگر علما کے نزدیک اُو تفصیل کے لیے ہے، جس طرح اس آیت میں ہے:

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى (البقرۃ ۲:۱۳۵) (یہود نے کہا کہ یہودی بن جاؤ اور عیسائیوں نے کہا کہ عیسائی بن جاؤ)۔ دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ (الذاریات ۵۱:۵۲) (بعض کہتے ہیں کہ جادوگر ہے اور بعض کہتے ہیں دیوانہ ہے)۔

ان حضرات کے نزدیک حاکم پر لازم ہے کہ مذکورہ سزاؤں میں سے جو سزا جس جرم کے موافق ہے صرف وہی سزا دے، مثلاً جس نے دہشت پھیلائی اور مال بھی ہتھیا لیا تو اس کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹے جائیں۔ جس نے مال بھی لیا اور قتل بھی کیا تو اس کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ کر سولی دی جائے۔ جس نے صرف قتل کیا اور لیا کچھ نہ ہو، اسے قصاص میں قتل کیا جائے۔ جس نے صرف دہشت پھیلائی ہو، نہ کسی کو قتل کیا ہو اور نہ ہی مال لیا ہو تو اسے جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ بن حنبل کی رائے ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قتل کرنے اور مال لینے کی صورت میں حاکم کو اختیار ہے، چاہے تو ہاتھ پاؤں کاٹ کر قتل کرے یا سولی چڑھائے اور چاہے تو صرف قتل یا سولی کی سزا دے۔ امام احمدؒ کے نزدیک ہاتھ کاٹنے کے بعد قتل کی سزا ہے، البتہ حنابلہ نے قتل اور سولی کی سزا کو اختیار کیا ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک ان میں سے ہر ایک مستقل جرم ہے اور اس کی مستقل سزا ہے۔ اگر ان جرائم کو اکٹھا کیا تو سزا بھی اکٹھی ملے گی، مثلاً ایک شخص نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی، تو ہر ایک کی حد نافذ ہوگی۔(۱) اگر کسی کو قتل نہ کیا ہو تو مجرم کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس کی دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے: لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلَاثٍ (کسی مسلمان کا خون تین

(۱) المغنی، ابن قدامۃ، ۸:۲۸۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورتوں کے علاوہ بہانا جائز نہیں ہے)۔(۱)

چھٹا سبب: دلائل کا تعارض

فقہا کے درمیان اختلاف کا ایک سبب دلائل کا ظاہری تعارض بھی ہے۔ ظاہری تعارض اس لیے کہا کہ فی الحقیقت دلائل میں کہیں بھی تعارض نہیں ہے، اس لیے کہ ان تمام دلائل کا سرچشمہ ایک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ خواہ وہ دلائل قرآن مجید میں ہوں یا سنت رسولؐ میں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء ۴:۸۲)

(اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بکثرت اختلافات پاتے)۔

لیکن چونکہ نصوص کے استعمال اور فہم وادراک میں بے شمار ایسے عوامل اثر انداز ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے ان میں ظاہری تعارض پیدا ہو جاتا ہے۔ جب مجتہد کو کوئی ایسی دلیل مل جاتی ہے جس سے وہ ایک نص کو دوسری پر ترجیح دے سکتا ہو تو وہ کسی ایک کو ترجیح دیتا ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنی کتاب الرسالۃ میں اظہار خیال کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''جہاں اختلاف ہو اور ناسخ ومنسوخ کا پتا نہ چل سکے تو بالاتفاق اس کا کوئی ایک معنی لینا درست ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل لسان تھے، عرب تھے، کبھی آپ عام لفظ بول کر عام مراد لیتے اور کبھی عام لفظ بول کر مراد خاص ہوتی، جیسا کہ میں نے اس سے قبل کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی بحث میں بیان کر دیا ہے۔ بعض اوقات آپ سے کوئی بات پوچھی جاتی تو بقدر سوال جواب دے دیتے اور بات مختصر ہو جاتی اور بیان کرنے والا کبھی اسے اختصار سے بیان کر دیتا اور کبھی الفاظ کو چھوڑ کر قول کا مفہوم

(۱) صحیح بخاری، باب الدیات؛ صحیح مسلم، باب القسامۃ (۱۶۷۶)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نقل کر دیتا۔ لیکن جب یہ حدیث کسی دوسرے شخص کے سامنے بیان کی جاتی تو اسے سوال کا علم نہ ہوتا، اس کے سامنے صرف جواب ہوتا، حالانکہ اسی جواب کے سبب ورود یا سوال کے پس منظر کے ذریعے ہی سے حقیقت معلوم کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح کسی جگہ آپ نے کوئی کام ایک طریقے سے کیا ہوتا ہے لیکن دوسری جگہ آپؐ وہی کام دوسرے طریقے سے سرانجام دیتے ہیں۔ اس سے بعض ناظرین فطری طور پر ایک طریقے کو یاد کر لیتے ہیں لیکن بعد میں آنے والے لوگ جب بیک وقت ان دونوں صورتوں سے آگاہ ہوتے ہیں تو انہیں اس میں اختلاف نظر آتا ہے، حالانکہ حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی سنت (حدیث) کو ایسے الفاظ میں بیان کرتے ہیں جو مجموعی اعتبار سے عام ہوتے ہیں اور اس حدیث کے ذریعے کسی جز کو حرام اور کسی کو حلال قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن دوسری سنت (حدیث) میں اس کے برخلاف طرز عمل اختیار فرماتے ہیں۔ اس مقام پر یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ حرام کردہ سے مراد وہ نہیں جسے حلال قرار دیا گیا ہے، نہ حلال کردہ سے مراد وہ مفہوم ہے جسے حرام کیا گیا ہے۔ اللہ کے احکام میں اس طرح کے نظائر موجود ہیں۔

اسی طرح بعض اوقات آپؐ کسی کام کو ایک طرح سے کرتے ہیں لیکن کسی دوسرے موقع پر اسے منسوخ قرار دے کر دوسری صورت تجویز فرماتے ہیں مگر روایت نقل کرتے وقت اس امر کی صراحت نہیں ہوتی کہ یہ تبدیلی ارشاد نبوت کے مطابق بعد میں بروئے کار لائی گئی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راست سننے والے راوی کو ناسخ اور منسوخ کا حکم یاد نہیں رہتا کیونکہ قوت حافظہ کے اعتبار سے تمام لوگ یکساں کیفیت کے حامل نہیں ہوتے۔ بعض بھول جاتے ہیں اور بعض کو بات یاد رہتی ہے۔ بعض کو بوقت ضرورت یاد آتی ہے لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ تمام لوگ ہی بھول جائیں۔

یہ سب طریقے حضور اکرم ﷺ سے منقول ہیں۔ آپؐ کے جملہ طریقوں کی اتباع واجب ہے۔ یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ ان میں فرق کیا ہے۔ ان میں فرق کرنا جہالت ہے اور انہیں شک وشبہ کی نظر سے دیکھنا تو جہالت سے بھی بدتر ہے۔ آپ کی اتباع کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ اگر کسی مسئلے میں کوئی اختلاف ہے تو ہوسکتا ہے کہ پوری بات نقل نہ ہوئی ہو جیسا کہ میں نے پہلے وضاحت کی ہے۔ سبب یا پس منظر معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یا کوئی وہم پیدا ہونے سے اختلاف پیدا ہوجاتا ہے۔

جس مسئلے میں اختلاف ہو ہمیں وہاں ایسی کوئی چیز مل جاتی ہے جس سے بات واضح ہوجاتی ہے۔ یا وہ اختلاف مذکورہ صورتوں میں سے کسی کے تحت داخل ہوتا ہے۔ یا ثبوت کے لحاظ سے ایک حدیث کا رتبہ دوسری سے کم ہوتا ہے، تو جہاں دونوں احادیث ثبوت کے لحاظ سے برابر نہیں ہوتیں وہاں ہم قوی حدیث کو اختیار کر لیتے ہیں۔ یا دلالت کے لحاظ سے ایک حدیث دوسری سے زیادہ واضح ہوتی ہے یا ان شواہد کی وجہ سے ایک کو دوسری پر ترجیح حاصل ہوجاتی ہے جن کا ذکر ہم نے پہلے کیا ہے۔ اس طرح ثبوت یا دلالت کے لحاظ سے زیادہ قوی حدیث کو ہم اختیار کرتے ہیں۔ کوئی دو احادیث بھی ایسی نہیں کہ جن میں اختلاف تو ہو لیکن اس کا کوئی حل موجود نہ ہو۔ دلالت کے لحاظ سے کتاب اللہ، سنت رسولؐ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا دیگر دلائل سے لازماً ان کی موافقت ہوگی۔''(۱)

دلائل میں تعارض کی وجہ سے فروعی مسائل میں قابل التفات حد تک اختلاف نظر آتا ہے اور اس کا اثر بھی زیادہ ہے، فقہ میں کوئی ایسا اختلافی مسئلہ نہیں ہے جس میں دلائل کا تعارض کارفرما نہ ہو۔ جب معاملہ یہ ہو تو پھر مجتہد وجوہات ترجیح کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی ایک دلیل کو دوسری دلیل پر ترجیح دیتا ہے اور یوں مختلف مجتہدین مختلف نتائج تک پہنچتے ہیں۔ ان میں سے بطور مثال چند مسائل یہ ہیں:

(أ) حج یا عمرہ کے دوران محرم کا نکاح

امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور امام احمدؒ بن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ حالت احرام میں نکاح جائز نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت عثمان بن عفانؓ کی درج ذیل حدیث سے ہے:

لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكَحُ(۲)

(محرم نہ خود اپنا نکاح کرے اور نہ ہی اس کا نکاح کیا جائے)۔

یزید بن اعصم حضرت میمونہؓ کی بابت روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے جب ان سے نکاح کیا تھا تو وہ احرام کی حالت میں نہیں تھے اور جب ان کی رخصتی ہوئی تو اس وقت بھی احرام کی حالت میں نہیں تھے اور ان کا انتقال مقام ''سرف'' میں ہوا اور انہیں اسی خیمے میں دفن کیا گیا جہاں ان کی رخصتی ہوئی تھی۔(۳)

حضرت ابورافعؓ کی حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے نکاح اور رخصتی حالت احرام میں نہیں کی تھی اور

---

(۱) الرسالة، ۲۱۳-۲۱۷

(۲) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم نکاح المحرم (۱۴۰۹)؛ اصحاب سنن نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

(۳) جامع ترمذی، کتاب الحج، ماجاء فی الرخصة فی ذالك، حدیث نمبر ۸۴۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ان دونوں کے درمیان سفیر تھا۔(۱)

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ حالت احرام میں نکاح کرنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ابن عباسؓ کی یہ حدیث ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوج میمونۃ وھو مُحْرِمٌ

(حضور اکرمؐ نے حضرت میمونہؓ سے حالت احرام میں نکاح کیا)

آپ فریقین کے دلائل میں یہاں تعارض دیکھ سکتے ہیں۔ جس فریق نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس نے اسے دوسری حدیث کے مقابلے میں راجح قرار دیا۔ فریق اول نے حضرت میمونہ کی حدیث کو راجح قرار دیا جو خود صاحب واقعہ ہیں اور یہ تمام واقعہ ان کے ساتھ پیش آیا ہے۔ تو جس کے ساتھ واقعہ پیش آیا ہے وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی روایت کو قبول کیا جائے۔

دوسری دلیل ابورافع کی حدیث ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہؓ کے مابین سفیر تھے۔ سفیر کی روایت اس بات کا زیادہ استحقاق رکھتی ہے کہ اسے قبول کیا جائے کیونکہ وہ دوسرے افراد کی بہ نسبت اس واقعہ کو بہتر جانتا ہے۔

سنن ابی داؤد میں سعیدؒ بن مسیب کا یہ قول بھی منقول ہے کہ ابن عباسؓ سے اس قول تزوج میمونۃ وھو محرم (۲) میں خطا ہوئی۔

فریق ثانی کی وجوہ ترجیح

اس حدیث کے راوی ابن عباسؓ کی فقاہت، علمی مقام، قرآن وسنت کے فہم میں مقام و مرتبہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان کی روایت یزید اور ابورافع کی روایت کے مقابلے میں قابل ترجیح ہے۔

صحابہ کرام میں حضرت عمرؓ کا موقف یہ تھا کہ حالت احرام میں نکاح درست نہیں ہے۔ اسے امام مالکؒ نے اپنی مؤطا میں ابوغطفان بن طریف المری سے روایت کیا ہے کہ میرے باپ طریف نے

(۱) جامع ترمذی، کتاب الحج، ماجاء فی کراھیۃ تزویج المحرم، حدیث نمبر ۸۴۱

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الحج، باب المحرم یتزوج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالت احرام میں ایک عورت سے نکاح کیا تو حضرت عمرؓ نے اسے باطل قرار دے دیا۔(۱)

امام مالکؒ نے نافع سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے: ''محرم نہ خود نکاح کرے، نہ اپنا پیغام نکاح بھیجے، نہ کسی اور کا پیغام نکاح بھیجے''۔(۲)

(ب) مہر کی کم از کم مقدار

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبل کی رائے یہ ہے کہ مہر میں مال کی کم از کم اتنی مقدار کافی ہے جسے ثمن یا اجرت کا نام دیا جا سکے اور اپنی اس رائے پر انہوں نے سہل بن سعد کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خاتون نے آ کر کہا: یا رسول اللہ! میں اپنا نفس آپ کو ہبہ کرنا چاہتی ہوں۔ (یہ عرض کرنے کے بعد وہ کافی دیر تک) انتظار میں کھڑی رہیں۔ چنانچہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپؐ کو اس کی ضرورت نہیں تو اس سے میرا نکاح کر دیجیے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ انہیں مہر دینے کے لیے تمہارے پاس کچھ ہے؟ تو اس نے عرض کیا کہ میرے پاس میرے اس تہبند کے علاوہ کچھ نہیں۔ چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ تہبند تو نے اسے دے دیا تو خود بغیر تہبند کے بیٹھے رہو گے، لہٰذا جاؤ اور کچھ نہ کچھ تلاش کرو۔ اس نے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تلاش کرو، اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس نے تلاش کیا لیکن کچھ ہاتھ نہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کیا تجھے قرآن کا کوئی حصہ یاد ہے۔ تو اس نے چند سورتوں کے نام لے کر عرض کیا کہ یہ یہ سورتیں مجھے یاد ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ قرآن کا جو حصہ تمہیں یاد ہے میں نے اس کے عوض تمہارا اس سے نکاح کر دیا۔(۳)

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی دوسری دلیل عامر بن ربیعہ کی حدیث ہے کہ بنوفزارہ کی ایک

(۱) مؤطا، ۱: ۳۴۹

(۲) ایضاً

(۳) اس حدیث کو امام بخاریؒ نے کتاب النکاح میں متعدد مقامات پر نقل کیا ہے اور امام مسلم نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورت نے جوتوں کے جوڑے کے بدلے میں نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا کہ تم اپنے اس فیصلے پر راضی ہو۔ جوتوں کو کیا کروگی۔ اس نے عرض کیا کہ ہاں میں خوش ہوں تو آپ ؐ نے اسے اجازت دے دی۔ (۱)

چنانچہ یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مہر کی کم از کم مقدار اتنا مال ہے جسے مال کا نام دیا جا سکے۔ (۲) احناف کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔ ان کی دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: عورتوں کا نکاح ولی کے علاوہ کوئی اور نہ کرے اور ان کا نکاح غیر کفو میں نہ کیا جائے اور دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں"۔ (۳)

فریق اول نے اپنی دلیل کو اس بنا پر راجح قرار دیا ہے کہ وہ صحیح سند سے مروی ہے جبکہ فریق ثانی نے اپنی دلیل کو اس بنا پر راجح قرار دیا ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت:

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْ اَزْوَاجِهِمْ (الاحزاب ۳۳:۵۰)

کی رو سے مہر شریعت کا حق واجب ہے۔ کیونکہ اس سے شرف نکاح کا اظہار ہوتا ہے، لہٰذا مہر کی اتنی مقدار رکھی جائے جس کی کچھ نہ کچھ وقعت ہو۔ (۴)

ابن وہب کے علاوہ دیگر مالکیہ کے نزدیک مہر کی مقدار چار سو یا چار سو سے زائد دینار ہے۔ مالکیہ تعیین مقدار میں مہر کو نصاب سرقہ پر قیاس کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے کہ دونوں میں ایک عضو محترم کا ضیاع ہے۔ (۵)

(۱) اس حدیث کو امام احمدؒ اور ابن ماجہؒ نے کتاب النکاح (۱۸۸۸) میں اور ترمذی نے بھی نقل کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔

(۲) المغنی ابن قدامۃ، ۶:۶۸۰، و مغنی المحتاج، خطیب، ۳:۲۲۰

(۳) اس حدیث کو محدثین نے ضعیف کہا ہے کیونکہ اس کی سند میں مبشر بن عبید اور حجاج بن ارطاۃ ہیں جو ضعیف ہیں، دیکھیے: نصب الرایۃ، ۳:۱۹۶

(۴) شرح الهدایۃ، ۲:۴۳۶

(۵) بدایۃ المجتهد، ۲:۲۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ج) قصاص میں آلہ قتل کی مماثلت کا اعتبار

امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کی رائے یہ ہے کہ مشابہت کا اعتبار طریقہ قتل میں کیا جائے گا۔

چنانچہ اگر ولی تلوار کے ساتھ قتل کرنا پسند کرے تو اس کو حق ہے، دلیل کے طور پر اس حدیث کو پیش کیا گیا ہے جسے حضرت انس بن مالکؓ نے روایت کیا ہے کہ ایک لونڈی کا سر دو پتھروں کے درمیان پڑا ہوا ملا (لیکن ابھی وہ زندہ تھی) تو اس سے دریافت کیا گیا کہ تیرے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک ایک شخص کا نام لے کر دریافت کیا گیا۔ جب ایک یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے سر سے اثبات میں اشارہ کیا۔ چنانچہ جب یہودی کو گرفتار کیا گیا تو اس نے اعتراف جرم کر لیا تو رسول اللہ نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا جائے۔(۱)

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا۔ دلیل یہ حدیث ہے **لَاقَوَدَ اِلَّا بِالسَّيْفِ** (۲) (قصاص صرف تلوار سے ہے)۔

فریق اول نے اپنی پیش کردہ حدیث کو ان عمومی دلائل کی بنا پر راجح قرار دیا ہے جو قرآن مجید میں ذکر ہوئے ہیں، مثلاً

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (النحل ۱۶:۱۲۶)

(اگر تم سزا دو تو اسی قدر سزا دو جس قدر تمہیں سزا دی گئی)

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (البقرۃ ۲:۱۹۴)

(اگر کسی نے تم پر زیادتی کی تو تم اس پر اسی قدر زیادتی کرو جس قدر اس نے تم پر کی)۔

---

(۱) اسے امام بخاریؒ نے باب الخصومات، الوصایا اور الدیات میں ذکر کیا ہے اور امام مسلم نے باب القسامۃ میں نقل کیا ہے۔

(۲) یہ حدیث متعدد صحابہ کرام سے منقول ہے لیکن اس کی تمام اسناد کمزور ہیں۔ دیکھیے: نصب الرایۃ، ۴:۳۴۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ ۴۲: ۴۰)

(زیادتی کا بدلہ اس جیسی زیادتی ہے)

فریق ثانی نے اپنے مسلک کے حق میں اس طرح استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے انداز میں قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور مثلہ سے ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان کرنے کو فرض کیا ہے، لہٰذا جب تم کسی کو (قصاص میں) قتل کرو تو احسن انداز میں قتل کرو اور جب کسی جانور کو ذبح کرو تو بھلے طریقے سے ذبح کرو(۱) اور تمہیں چاہیے کہ چھری کو خوب تیز کر لو اور ذبیحہ کو سکون پہنچاؤ۔

حضرت صفوان بن عسال سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک مہم کے لیے بھیجا تو (بطور ہدایت) ارشاد فرمایا: اللہ کا نام لے کر جاؤ اور اللہ کی راہ میں اللہ کے منکرین سے لڑو اور کسی کا مثلہ مت کرنا اور نہ کسی بچے کو قتل کرنا۔(۲)

ساتواں سبب: کسی مسئلے میں نص کا نہ ہونا

جب کسی مسئلے میں کتاب اللہ یا سنت رسول کا کوئی صریح حکم موجود نہ ہو، تو یہ بھی فقہا کے درمیان اختلاف کا سبب بن جاتا ہے۔ چونکہ یہ ثابت شدہ بات ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تھے تو اس وقت بھی کچھ مسائل ایسے تھے جن کی صراحت کتاب و سنت میں موجود نہیں تھی۔ واضح بات ہے کہ منصوص احکام محدود ہیں اور مسائل بے شمار ہیں۔ ان میں بعض ایک جیسے ہیں اور بعض مختلف قسم کے۔ کبھی کوئی ایسا نیا مسئلہ سامنے آتا ہے جس کی نظیر دور رسالت میں بھی مل جاتی ہے تو اس کا حکم معلوم ہو جاتا ہے۔ کبھی اس کی کوئی نظیر دور رسالت میں بھی نہیں ملتی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اکابر اور فقہا صحابہ کرامؓ کو جمع کر لیا کرتے تھے۔ جب کبھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو ان حضرات سے مشورہ فرماتے، ہر ایک اپنی رائے دیتا یہاں تک وہ کسی

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح (۱۹۵۵)؛ سنن ابی داؤد، کتاب الأضاحی

(۲) مسند احمد؛ ابن ماجہ، کتاب الجهاد، حدیث نمبر ۲۸۵۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نتیجے پر پہنچ جاتے اور فیصلہ صادر فرما دیتے، خواہ یہ فیصلہ قیاس سے ہوتا یا کسی اور مصلحت اور دلیل کی بنیاد پر، بہرحال جب یہ فقہا صحابہ کسی رائے پر متفق ہو جاتے تو فیصلہ دے دیا جاتا۔

میمون بن مہران روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو وہ سب سے پہلے اس کا حل کتاب اللہ میں تلاش کرتے، اگر کتاب اللہ میں نہ ملتا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث علم میں ہوتی تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے، اور جب کوئی حدیث بھی علم میں نہ ہوتی تو دیگر مسلمانوں سے دریافت کرتے اور فرماتے کہ میرے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا ہے، کیا آپ میں سے کسی کے علم میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں کوئی حکم دیا ہو؟ بسا اوقات حاضرین میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی جو یہ گواہی دیتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلے کا یہ حکم اس طرح منقول ہے۔ ابوبکر صدیق ؓ فرماتے: ''تمام تعریفیں اس رب کریم کے لیے ہیں جس نے ہم میں ایسے لوگ پیدا کیے جنھوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو یاد رکھا''۔ اگر سنت رسول ؐ میں حل نہ ملتا تو کبار صحابہ اور فقہائے کرام کو جمع کر کے مشورہ کرتے، جب سب کسی معاملے پر متفق ہو جاتے تو حضرت ابوبکر ؓ فیصلہ دیتے (۱)۔ یہی وجہ ہے کہ کسی مسئلے میں ''نص'' نہ ملنے کی وجہ سے بھی بہت سے مسائل میں صحابہ کرام کے درمیان اختلاف پیدا ہوا اور یہی نکتہ اختلاف کا ایک بڑا سبب رہا ہے۔ ان اختلافات میں سے چند ایک ہم یہاں بطور نمونہ ذکر کرتے ہیں:

۱۔ بھائیوں کی موجودگی میں دادا کی میراث کا مسئلہ

صحابہ کرام ؓ کو یہ مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پیش آیا اور چونکہ اس سلسلے میں آپ ؐ کا کوئی فیصلہ یا حکم لوگوں کو معلوم نہیں تھا، اس لیے مختلف آرا سامنے آئیں اور اختلاف اس قدر شدید ہو گیا کہ حضرت عمر ؓ منبر پر کھڑے ہو کر یہ بات کہنے پر مجبور ہو گئے: ''اے لوگو! کاش کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے تین چیزوں کی

(۱) اختلاف الفقهاء، استاذ علی الخفیف، ص ۱۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے لیے صراحت کر جاتے۔ وہ یہ ہیں:

کلالہ، دادا (دادا کی میراث) اور سود کے دروازے (بعض پہلو اور مسائل) (۱) اس مسئلے میں اختلاف کی وجہ سے دو مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آئے اور ہر رائے کو صحابہ کرام کے ایک فریق نے اختیار کیا۔ ہر فریق کی دلیل کو میراث کا قابل اعتبار سبب تصور کیا جا سکتا ہے۔ ایک فریق نے میت سے قرابت اور دوسرے نے جزئیت کو سبب قرار دیا۔

پہلا نقطۂ نظر: حضرت ابوبکرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عمرؓ کی ابتدائی رائے اور صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت کا مسلک یہ تھا کہ بھائیوں کے مقابلے میں دادا میراث کا زیادہ حق دار ہے، کیونکہ جب باپ موجود ہو تو ان میں سے کسی کو بھی میراث میں حصہ نہیں ملتا۔ وجہ یہ ہے کہ دادا میت کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ دادا بمنزلہ باپ کے ہے اور باپ کی موجودگی میں بھائی محروم رہتے ہیں۔ قرآن کریم کی بہت سے آیات میں دادا کو ''باپ'' سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے کہ ارشاد ربانی ہے:

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج ۲۲:۷۸) (تمہارے باپ ابراہیم کا دین)

دوسرا نقطہ نظر: حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، زید بن ثابتؓ، اور عبداللہ بن مسعودؓ کا مسلک یہ ہے کہ میت کے بھائی اور دادا دونوں کو حصہ ملے گا۔ کیونکہ قرابت کے لحاظ سے یہ دونوں فریق برابر ہیں۔ اور میت سے دونوں کا تعلق باپ کی طرف سے ہے۔

حضرت علیؓ نے دادا کو ایک بڑی نہر سے تشبیہ دی (۲) اور باپ کو اس چھوٹی نہر کے

---

(۱) تاریخ الفقه الاسلامی، ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ بحوالہ سنن بیهقی (۵۹)

(۲) میراث کے بارے میں دنیا کے نظام ہائے قانون میں دو تصورات پائے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی مثال ایک پتھر کی سی ہے کہ اگر اسے پھینکا جائے تو نیچے ہی جاتا ہے۔ دوسرا تصور یہ ہے کہ میراث اصل کی طرف لوٹتی ہے اور جد اصل ہے۔ ان دونوں تمثیلات میں ان دونوں تصورات کی عکاسی ہے۔ (مترجم)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشابہ قرار دیا جو اس بڑی نہر سے نکلتی ہے، اور میت اور اس کے بھائیوں کو ان چھوٹی نالیوں سے جو چھوٹی نہر سے نکلتی ہیں۔ اب یہ چھوٹی نالیاں ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہوتی ہیں۔ اگر ان چھوٹی نالیوں میں سے کوئی نالی بند ہو تو پانی دوسری نالی میں چلا جاتا ہے، واپس چھوٹی نہر میں نہیں جاتا (جس سے مراد باپ ہے جو پہلے ہی مر چکا ہے۔ کیونکہ مسئلہ ''اخ مع الجد'' کا ہے) اور یہ بڑی نہر میں جائے گا جو جد ہے۔

زید بن ثابتؓ نے دادا کو درخت کی جڑوں اور تنے سے تشبیہ دی ہے۔ جب کہ باپ کو اس کی بڑی ڈالی سے اور بھائیوں کو اس سے مزید پھوٹنے والی ٹہنیوں سے، جس طرح درخت کی ایک ٹہنی کاٹ دی جائے تو کٹی ہوئی ٹہنی کی خوراک دوسری چوس لیتی ہے اور وہ خوراک واپس تنے کی طرف نہیں لوٹتی۔ اس طرح میت سے اس کے بھائی دادا کے مقابلے میں حصہ پائیں گے۔(۱)

صحابہ کی طرح بعد میں فقہا کے درمیان بھی اس مسئلے میں اختلاف پیدا ہوا۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، زیادہ صحیح روایت کی بنیاد پر، امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو میراث میں حصہ ملے گا۔ اگرچہ مقدار اور کیفیت تقسیم میں ان کے درمیان اختلافات ہیں۔ ان کے پاس درج ذیل دلائل ہیں:

۱۔ بھائی بیٹے کی طرح بہن کا عصبہ ہوتا ہے، بخلاف دادا کے کہ وہ ایسا نہیں ہوتا۔ تو بھائی کا میراث پانا زیادہ قوی ہے بنسبت دادا کے۔

۲۔ بہن بھائی ذوی الفروض اور عصبہ کی حیثیت سے اولاد کی میراث کے حساب سے حصہ پاتے ہیں جب کہ دادا کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے۔

۳۔ بھائی میت کے باپ کا بیٹا ہے اور دادا باپ کا باپ ہے۔ بیٹا ہونا باپ ہونے سے زیادہ قوی بات ہے۔ دلیل یہ ہے کہ بیٹا پوتا موجود ہو تو باپ کے عصبہ محروم ہو جاتے ہیں خواہ وہ بیٹا کتنا ہی نیچے ہو۔

---

(۱) نیل الاوطار، ۶: ۶۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابوحنیفہؒ، امام زفرؒ، حسن بن زیادؒ، داؤدؒ اور امام احمدؒ (ایک روایت کے مطابق) کا مسلک یہ ہے کہ دادا کی موجودگی میں انہیں کچھ نہیں ملتا۔ ان حضرات کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ بھائیوں کو محروم کرنے سے پوتے کی حیثیت بیٹے کی بن جاتی ہے تو دادا کی حیثیت باپ کی طرح ہونا چاہیے، یہ توجیہ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

۲۔ بھائی کے مقابلے میں دادا زیادہ قوی ہے، کیونکہ وہ میراث میں بھی شریک ہے اور نکاح اور مال وغیرہ کی ولایت میں وہ منفرد ہے۔

۳۔ بیٹا بھائیوں کو محروم کر دیتا ہے لیکن دادا کو محروم نہیں کر سکتا۔

۴۔ دادا کی موجودگی میں ماں شریک بھائی بالاتفاق محروم ہوں گے جس طرح باپ کی موجودگی میں ماں شریک بھائی محروم ہوتے ہیں۔ اگر دادا حقیقی بھائی کے قائم مقام ہو جائے تو وہ ماں شریک بھائیوں کو محروم نہیں کرے گا اور اگر حقیقی بھائی دادا کے قائم مقام ہو جائے تو چاہیے کہ وہ دادا کی طرح ماں شریک بھائیوں کو محروم کر لے۔ پس جنہوں نے دادا کو بھائی کی مثل قرار دیا ہے درحقیقت انہوں نے اس تضاد کا خیال نہیں کیا۔

۵۔ اللہ نے قرآن مقدس میں جد کے لیے صرف اب کا لفظ استعمال کیا ہے مثلاً **ملة ابیکم ابراھیم** (تمہارے باپ ابراہیم کا دین) **واتبعت ملة آبائی ابراھیم و اسحق و یعقوب** (میں نے اپنے باپ ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے)۔

۶۔ دادا یا تو حقیقی بھائی کی طرح ہے یا باپ شریک بھائی کی طرح یا دونوں سے زیادہ مرتبے والا یا دونوں سے کم مرتبے والا۔ اگر حقیقی بھائی کی طرح ہو تو لازم آتا ہے کہ اس کی وجہ سے باپ شریک بھائی محروم رہے اور اگر باپ شریک بھائی کی طرح ہو تو لازم آتا ہے کہ حقیقی بھائی اسے محروم کر دے اور ان دونوں سے مرتبے میں کم ہو تو لازم آتا ہے کہ دونوں کی وجہ سے وہ خود محروم رہے۔ جب یہ تمام صورتیں باطل ہیں تو لازم آتا ہے کہ مرتبے میں ان دونوں سے برتر ہو۔(۱)

(۱) العذب الفائض شرح عمدة الفارض، ۱: ۱۵۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام شافعیؒ نے اس مسئلے میں اپنی کتاب الرسالۃ میں مباحثہ کی شکل میں گفتگو کی ہے۔ جس میں اپنے مسلک کی تائید اور فریق مخالف کے مسلک کا رد ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''اس نے کہا: تم کس طرح بھائیوں کو دادا کی موجودگی میں حصہ دلاتے ہو۔ آیا کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں کوئی دلیل ہے؟

میں نے جواباً کہا: کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں اس کی صراحت میرے علم میں نہیں ہے۔

اس نے کہا: اس مسئلے میں آثار صحابہ برابر برابر ہیں اور ان دلائل کے ساتھ اگر قیاس کو شامل کیا جائے تو دادا کو حصہ ملتا ہے اور بھائی محروم رہتے ہیں۔

میں نے پوچھا: دلائل کیا ہیں؟

اس نے کہا: جب میں نے دیکھا باپ کا لفظ دادا کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور تم بھی اسے ۱/۶ سے کم حصہ نہیں دیتے تو یہ سب احکام باپ کے ہیں۔

میں نے اس سے کہا: صرف باپ کا لفظ دادا کے لیے استعمال ہونے کی وجہ سے ہم اسے حصہ دار نہیں ٹھہراتے۔

اس نے کہا: وہ کیسے؟

میں نے کہا: مجھے معلوم ہے بعض صورتوں میں ''اب'' کا لفظ ''جد'' کے لیے آیا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ وارث نہیں بنتا۔

اس نے کہا: وہ کیسے؟

میں نے کہا: کہ جب باپ زندہ ہو تو باپ اس وقت بھی دادا اور حضرت آدم علیہ السلام تک تمام لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ حالانکہ دادا اس صورت میں محروم رہتا ہے۔ اسی طرح جب وہ غلام ہو، کافر ہو یا قاتل ہو تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان تمام صورتوں میں لفظ اب، جد کے لیے بولا جا سکتا ہے مگر جد وارث نہیں بنتا۔ اگر صرف نام کافی ہوتا تو لازماً مذکورہ صورتوں میں دادا وراثت میں حصہ دار ہوتا اور اگر ہم نے ماں شریک بھائیوں کو محروم قرار دیا ہے تو اس کی وجہ حدیث ہے۔ صرف لفظ اب کے معنی میں استعمال پر اکتفا نہیں کیا ہے۔

اور اگر ہم نے ۶/۱ سے اس کے حصے میں کمی نہیں کی تو ہم دادی کے حصے میں بھی ۶/۱ سے کم نہیں کرتے۔ ہمارے ان مسائل میں یہ چیز بنیاد نہیں بن سکتی کہ چونکہ جد کا حکم معنوی طور پر باپ کا ہے اس لیے دادا ہر لحاظ سے باپ کی طرح ہے۔ اگر بات یہی ہوتی کہ دادا بعض امور میں باپ کے معنی میں ہونے کی وجہ سے تمام مسائل میں باپ ہی کا حکم رکھتا ہے تو بھتیجی بھی حکم میں اس کے موافق ہوگی۔ کیونکہ ہمارے نزدیک ماں شریک بھائی محروم رہیں گے اور دادی کا بھی وہی حکم ہے جو ان ماں شریک بھائیوں کا ہے، اس لیے ہم ۶/۱ سے کم حصہ نہیں دلاتے۔

اس نے کہا: تمہارے پاس ہمارے اس موقف کو ترک کرنے کی کیا دلیل ہے کہ دادا کی موجودگی میں بھائی محروم ہوتے ہیں؟

میں نے کہا: تمہارے موقف کا قیاس سے بعید ہونا ہی دلیل ہے۔

اس نے کہا: ہم بھی تو قیاس ہی کرتے ہیں۔

میں نے پوچھا: کیا خیال ہے۔ دادا اور بھائی میں سے کسی ایک کا قرابت بعینہ یا قرابت بغیرہ کا تعلق ہے۔

میں نے کہا: کیا صورت حال یہ نہیں ہے کہ دادا کہتا ہے میں میت کے باپ کا باپ ہوں اور بھائی کہتا ہے میں میت کے باپ کا بیٹا ہوں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے کہا: دونوں کا تعلق باپ کی قرابت کی وجہ سے ہے مگر اپنے اپنے مقام کے لحاظ سے ہے۔ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: اگر آپ میت کو باپ قرار دیں اور اس نے ورثا میں باپ اور بیٹا چھوڑے ہوں، تو میراث دونوں میں کس طرح تقسیم ہوگی۔

اس نے کہا: بیٹے کو ۶/۵ اور باپ کو ۶/۱ ملے گا۔

میں نے کہا: معلوم ہوا کہ بیٹا باپ سے میراث میں زیادہ حق دار ہے، کیونکہ باپ سے اس کا حصہ زیادہ ہے۔ اور یہ بھائی باپ کی قرابت داری ہی کی وجہ سے میراث لیتا ہے اور دادا اسی باپ کا بھائی ہے اور وہ بھی اسی قرابت کی وجہ سے میراث لیتا ہے، لہٰذا اس بھائی کا تعلقِ قرابت، دادا کے تعلقِ قرابت سے زیادہ قوی ہوگا۔ تو آپ دادا کی موجودگی میں بھائی کو کیسے محروم کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک کی موجودگی میں دوسرا محروم ہوتا تو بھائی کی موجودگی میں دادا محروم ہوتا کیونکہ زیادہ قرابت کی وجہ سے بھائی زیادہ میراث کا حق دار ہے، یا پھر آپ دادا کے لیے چھٹا حصہ اور بھائی کے لیے ۶/۵ حصہ رکھیں۔ اس نے کہا: تو پھر آپ یہ مسلک کیوں اختیار نہیں کرتے؟

میں نے جواب دیا: اختلاف رائے رکھنے والے تمام اس بات پر متفق ہیں کہ دادا کو بھائی کی موجودگی میں بھائی جتنا حصہ ملے گا یا اس سے بھی زیادہ، تو میرے لیے بھی اس میں اختلاف مناسب نہیں تھا اور نہ ہی قیاس کو اختیار کر سکتا تھا حالانکہ قیاس سے یہ مشکل حل ہو سکتی تھی۔

میں نے یہ مسئلہ اس طرح حل کیا کہ دادا کی موجودگی میں بھائی کا حصہ بھی ثابت کیا اور یہ ان دونوں آرا سے بہتر ہے جس کے دلائل میں بیان کر چکا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں۔ ان دلائل کی تائید قیاس سے بھی ہوتی ہے، اور قدیم و جدید جمہور فقہا کی بھی وہی رائے ہے جو میری ہے۔ جب کہ کتاب اللہ میں بھائیوں کی میراث کا ذکر ہے لیکن دادا کی میراث بیان نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے بھائیوں کی میراث دادا کی میراث کے مقابلے میں سنت سے بھی زیادہ قوی دلیل سے ثابت ہے۔(۱)

نص کی عدم موجودگی میں مسائل اسی طرح کے اجتہادی عمل سے حل کیے جاتے تھے اور ہر فقیہ اپنی بصیرت اور اپنے اندازِ فکر کے مطابق اس کا حل پیش کرتا تھا۔ طبائع اور اندازِ فکر، نیز مختلف اصول تحقیق سے کسی مسئلے پر غور وفکر کی بنا پر فقہی اختلافات رونما ہوتے تھے۔

(۱) الرسالة، ص۵۹۱-۵۹۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۵

فقہی اختلاف کے آداب وضوابط

متفقہ مسائل پر زیادہ توجہ دینا

فقہی جزئیات اور فروعی مسائل میں بڑا حصہ متفق علیہ ہے اور جن مسائل میں اختلاف ہے ان میں اکثر اَولیٰ اور غیر اَولیٰ کا اختلاف ہے۔ اصل مشروعیت اور جواز کا اختلاف بہت کم ہے۔ اسی طرح ایسے فروعی مسائل کی تعداد بھی بہت کم ہے جن میں فقہائے عظام، ائمہ دین اور مجتہدین میں حلال وحرام یا جائز وناجائز کا اختلاف ہو۔ یہ افسوس ناک صورتِ حال ہے کہ بالعموم بدیہی، قطعی اور متفقہ مسائل پر کم زور دیا جاتا ہے اور اختلافی مسائل پر غیر معمولی زور صرف کیا جاتا ہے، مثلاً نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ دونوں قدموں کے درمیان فاصلہ کتنا ہونا چاہیے؟ رفع یدین کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ آمین اونچی آواز سے کہی جائے یا آہستہ، تراویح آٹھ پڑھی جائیں یا بیس، خون کا بہنا ناقض وضو ہے یا نہیں وغیرہ۔ یہ وہ فروعی مسائل ہیں جو معرکۃ الآرا حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ ایک ایک مسئلے پر کئی کئی کتابیں آ چکی ہیں لیکن دوسری طرف عبادات سے متعلق وہ بنیادی مسائل جو تمام فقہا کے ہاں متفقہ چلے آ رہے ہیں ان سے بے خبری عام ہے، اور ان مسائل کو بہت کم موضوع بحث بنایا گیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ اجتہادی فروعی مسائل جن میں فقہا کا اختلاف ہے ان میں وسعت، گنجائش، درگزر اور برداشت کا ماحول پیدا کیا جائے۔ اختلافی مسائل میں علمی بحث ومباحثہ اور تحقیقی اسلوب نہ صرف جائز ہے، بلکہ دین اسلام کے ہمہ گیر ہونے کا ثبوت بھی ہے۔ لہٰذا اس نوع کے مسائل پر علمی وتحقیقی کام کیا جا سکتا ہے اور اس کی ضرورت بھی ہے بشرطیکہ شریعت کے آداب کو ملحوظ رکھا جائے اور دوسروں کی رائے کا بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احترام کیا جائے۔ جن چیزوں کو شریعت نے زیادہ اہمیت اور ترجیح دی ہے انہی کو زیادہ اہمیت دی جانا چاہیے، اور جنہیں شریعت نے کم اہمیت دی ہے ان پر زیادہ اہم کو قربان نہ کیا جائے۔

ترجیحات کا اصول: الأهم فالأهم

شریعت اسلامیہ میں **الأهم فالأهم** کا اصول اساسی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ شریعت اسلامیہ میں احکام، اقدار اور اعمال کو ایک درجہ یا مرتبہ میں نہیں رکھا گیا، بلکہ ان میں کچھ اصول ہیں اور کچھ فروع، کچھ اعلیٰ ہیں اور کچھ ادنیٰ، کچھ راجح ہیں اور کچھ مرجوح، کچھ ارکان ہیں اور کچھ امور ان کی تکمیل کرتے ہیں وغیرہ۔

شریعت نے جو معیار (criteria) مقرر کیا ہے اس کی روشنی میں ہر چیز کو اس کے مقام و مرتبہ پر رکھنا ہی عدل وانصاف ہے۔ یعنی جو چیز شریعت کی نگاہ میں مقدم ہے اسے مقدم رکھا جائے، جسے شریعت نے مؤخر رکھا ہے، اسے مؤخر رکھا جائے، صغیرہ کو کبیرہ کا درجہ، اور کبیرہ کو صغیرہ کا درجہ نہ دیا جائے، غیر اہم کو اہم پر، زیادہ اہم کو کم اہم پر، مرجوح کو راجح پر، غیر اَولیٰ کو اَولیٰ پر مقدم نہ کیا جائے، اس اصول کی اساس خود قرآن مجید میں ہے۔ ارشاد باری ہے:

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (التوبۃ۹:۱۹)

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا اُس شخص کے اعمال جیسا خیال کیا ہے جو خُدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔

وحی الٰہی کے زیر سایہ تربیت حاصل کرنے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس اصول پر سب سے زیادہ عمل کرتے تھے اور قرب الٰہی کے حصول کے لیے اکثر اس نوعیت کے سوال کرتے:

أيُّ الاعمال افضل؟ أيُّ الاعمال احب الى الله؟ أيُّ الاسلام افضل؟ أيُّ الايمان افضل؟ أيُّ الهجرة افضل؟ یعنی کون سے اعمال افضل ہیں؟ کون سے اعمال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ کو زیادہ پسند ہیں؟ اسلام میں کون سا طریقہ زیادہ بہتر ہے؟ کس قسم کا ایمان افضل ہے؟ کس طرح کی ہجرت افضل ہے؟

اسی طرح برے اعمال بھی سب ایک ہی درجے کے نہیں، بلکہ بعض کبیرہ ہیں، بعض اکبر الکبائر ہیں اور کچھ صغیرہ ہیں۔

الأهمّ فالا هَمّ کے اصول کی طرف رجوع کی شدید ضرورت

آج جبکہ نہ صرف دین بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں ترجیحات ہی بدل گئی ہیں، اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں وحدت اور اخوت پیدا کرنے کے لیے اس اصول کی طرف رجوع کیا جائے۔ انتہا پسندی اور افراط وتفریط کا بنیادی سبب ہی یہ ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس حقیقت کا شعور نہیں رکھتا کہ دین میں کون سی چیزیں مقدم اور اہم ہیں جو کفر اور اسلام کی حدوں کا تعین کرتی ہیں اور کون سی چیزیں جزئیات اور فروعی مسائل کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کی دین میں حیثیت کیا ہے؟

فقہی اختلافات میں اس اصول کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اور اس کی مدد سے تمام فقہی مسائل کی حقیقت سامنے آجاتی ہے، جس کے نتیجے میں آسانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کس چیز میں اختلاف کی گنجائش سرے سے ہے ہی نہیں، اور کہاں کس درجہ کے اختلاف کی گنجائش ہے؟

فقہی مسائل میں اختلاف کا تعین

علامہ یوسف قرضاوی فرماتے ہیں: (۱)

فقہی آراء تین طرح کی ہیں:

۱۔ وہ فقہی مسائل جن میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

۲۔ وہ فقہی مسائل جن میں کچھ اختلاف کیا جاسکتا ہے۔

---

(۱) فقه الأولويات، یوسف قرضاوی، ص ۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ وہ فقہی مسائل جن میں بہت زیادہ اختلاف کی گنجائش ہے۔

۱۔ وہ احکام جن میں اختلاف کی گنجائش نہیں

اس سے مراد وہ منصوص احکام ہیں جن کی قرآن اور سنت صحیحہ میں صراحت ہے اور ان کا معنی بھی قطعی اور یقینی ہے، یعنی ان احکام کا ثبوت بھی قطعی ہے، اور اس لحاظ سے ان کا معنی ومفہوم بھی قطعی اور یقینی ہے کہ اس میں دو یا دو سے زائد آرا کا احتمال ہی نہیں ہے، مثلاً قرآن مجید میں ہے فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً (النور ۲۴:۴) (انہیں اسّی کوڑے لگاؤ)۔ یہاں لفظ ثمانین (اسّی) کا معنی قطعی ہے۔ جس میں کسی اور معنی کی گنجائش نہیں، اس نوع کے احکام کو علمائے اصول کی اصطلاح میں قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت کہتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ منصوص احکام میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

دین کے اساسی احکام مثلاً الوہیت، نبوت، اصولِ عبادات، بنیادی اخلاقیات، نکاح وطلاق اور میراث کے اساسی احکام اور حدود و قصاص وغیرہ کا تعلق اسی نوع سے ہے، ان میں جو منصوص اور قطعی الدلالت ہیں ان کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

۲۔ وہ احکام جن میں اختلاف کی گنجائش ہے:

یہ احکام دو طرح کے ہیں: ایسے احکام، جن کے ثبوت میں کسی قسم کے شبہے کا احتمال نہیں ہے، لیکن معنی ومفہوم کے تعین میں ایک سے زائد آرا کی گنجائش ہے۔ اس قسم کے احکام کو قطعی الدلالت ظنی الثبوت کہا جاتا ہے، مثلاً اس آیت: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ (البقرۃ ۲:۲۲۸) کہ اس میں لغت کے لحاظ سے قرء کا معنی حیض

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی لیا جاسکتا ہے اور طہر کی حالت بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے معنی کے تعین میں بھی شوافع اور احناف کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک قرء کا معنی حیض ہے جبکہ شوافع کے نزدیک طہر مراد ہے۔ یہ قرآن مجید کی آیت ہے، جس کے ثبوت میں کوئی شک وشبہ نہیں، لیکن اس کے معنی کے تعین میں اختلاف ہے۔ ایسے مسائل میں فقہا کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ منصوص احکام کی تعبیر وتشریح میں جو اختلاف ہے، وہ اسی نوعیت کا ہے۔

زیادہ اختلاف کی گنجائش والے مسائل

وہ احکام جن کا ثبوت بھی قطعی نہیں ہے بلکہ ظنی ہے اور معنی بھی ظنی ہے، یعنی ایک سے زائد آرا کی گنجائش ہے، انہیں ظنی الثبوت، ظنی الدلالت کہا جاتا ہے، مثلاً وہ احکام جو سنت غیر متواترہ سے ثابت ہوں اور ان کے معنی کے تعین میں متعدد آرا ہوں۔ وہ تمام احکام جو قیاس واجتہاد سے ثابت ہیں، وہ سب بھی اسی تقسیم میں آتے ہیں۔

ترجیح: یہ ایک بدیہی بات ہے کہ دین کی اساس قطعیات پر ہے، خواہ ان قطعیات کا تعلق عقیدے سے ہو یا معاملات سے، شعائر اللہ سے ہو یا جزئی مسائل سے، اسلام کا مدار یہی قطعیات ہیں، یہی کفر اور اسلام کی حدود کا تعین کرتی ہیں۔

اجتہادی اور فقہی اختلافات کا درجہ

چونکہ اسلام ایک عالمگیر، ہمہ گیر اور قیامت تک رہنے والا پیغام ہے، اس لیے ہر دور، ہر زمانے اور ہر جگہ کی ضروریات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے غیر منصوص احکام میں اجتہاد کی اجازت دی گئی ہے۔ اجتہاد کی صورت میں اختلاف ایک ناگزیر اور فطری امر ہے۔ اختلافی امور میں کسی بھی فقیہ کی رائے کو راجح دلیل کی بنیاد پر اختیار کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ دلائل کو ترجیح دینے کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلاحیت اور استعداد ہو۔ یہ کفر اور اسلام کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت، سہولت اور وسعت ہے۔ شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''واقعہ یہ ہے کہ ان فقہی اختلافات میں بیشتر ایسے ہیں جن کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ایک رائے یا مسلک کو دوسرے مسلک پر ترجیح دی گئی ہے، خصوصاً وہ فروعی مسائل جن میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف تھا اور ان سے دونوں طرح کی آرا منقول ہیں، مثلاً ایام تشریق کی تکبیروں اور عیدین کی تکبیروں کا اختلاف، حالتِ احرام میں نکاح کا اختلاف، ابن عباس کے تشہد اور ابن مسعودؓ کے تشہد کا اختلاف۔ آمین اور بسم اللہ نماز میں آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنے کا اختلاف، اقامت میں کلمات اذان کو ایک بار یا دو بار کہنے کا اختلاف وغیرہ۔

ائمہ سلف سے مذکورہ دونوں طرح کی آرا منقول ہیں۔ یہ جواز یا عدم جواز کا اختلاف نہیں ہے (یعنی تمام فقہا کے نزدیک یہ دونوں صورتیں جائز ہیں) بلکہ اختلاف یہ ہے کہ زیادہ بہتر اور اَولیٰ صورت کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے حق اجتہادی مسائل میں تمام مفتیوں کے فتووں اور قاضیوں کے فیصلوں کو تسلیم کرتے ہیں۔(۱)

فقہی مسائل میں افراط وتفریط

چوتھی صدی ہجری کے بعد مسلمانوں میں سیاسی انحطاط کے ساتھ جو فکری اور اخلاقی انحطاط پیدا ہوا، اس کی تفصیل ''فقہی اختلافات کا رخ چوتھی صدی ہجری کے بعد'' کے عنوان کے تحت بیان کی جا چکی ہے۔ اس فکری اور اخلاقی انحطاط کے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

(۱) اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، ص ۱۴۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرقہ بندی اور اختلافات میں بعض لوگ اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ اپنے ہم نواؤں کے ساتھ دوستانہ مراسم استوار کرتے ہیں اور مخالفین کے ساتھ حسد اور کینہ پروری کا رویہ اختیار کرتے ہیں، بلکہ اکثر اوقات ان سے لڑ پڑتے ہیں، حالانکہ مسائل بھی ایسے ہیں جن کے اندر حلال و حرام کا کوئی مسئلہ نہیں، بلکہ سب صورتیں جائز ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے دین کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ اس قسم کے متعصب لوگوں کی پیروی سے بچنا چاہیے۔ بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ جو چیز ان کے ہاں رائج ہو، اسے سنت ٹھہراتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہو اسے رد کر دیتے ہیں، خواہ اس کے دلائل کتنے ہی مضبوط ہوں۔ (۱)

ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں رقم طراز ہیں:

''اس کے بعد کچھ ایسے محقق پیدا ہوئے جنہوں نے سلف کی راہ کو چھوڑ دیا اور ان کے افکار میں تناقض وتضاد کے جراثیم نظر آنے لگے، ان میں سے ہر ایک اپنے گروہ کی طرف داری پر اتر آیا۔ جس کے نتیجے میں ان کے ہاں جدل ونزاع کا سلسلہ شروع ہوا، بغض وعداوت نے جنم لیا اور انہیں ایک دوسرے کا دشمن قرار دیا جانے لگا۔'' (۲)

شیخ رشید رضا لکھتے ہیں:

''مگر مذہبی تعصب کے علم برداروں نے اختلاف کو رحمت نہ بننے دیا اور اپنے مذہب کی تقلید کو مستحکم کرنے کے لیے شدت کا مظاہرہ کرنے لگے۔ چنانچہ اصول وفروع میں اختلاف رکھنے والوں میں اس قسم کے فتنے پیدا ہوئے

(۱) فتاویٰ، ابن تیمیہ، ۲۲:۲۶

(۲) فتح الباری، ابن حجر عسقلانی ص ۸۹، باب مالا یجوز فیہ الاختلاف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنہوں نے تاریخ کے اوراق کو سیاہ کر دیا۔ اجتہادی اور فروعی مسائل میں مسلمانوں میں جو تعصب، ایذا رسانی اور تفرقہ بازی پیدا ہوگئی ہے اس کو سلف صالحین کی رواداری اور میانہ روی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے"؟(۱)

اہل حدیث کی افراط وتفریط

شاہ ولی اللہؒ اہل حدیث اور اہل رائے دونوں کے طریق استنباط، اسلوب اجتہاد اور فکری رجحان پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے بعد اہل حدیث اور اہل رائے کی افراط وتفریط کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

کسی محدث کو ان اصول وقواعد کے استعمال میں ـــــ جن کو ائمہ حدیث نے گو کہ پورے اطمینان کے ساتھ وضع کیا ہے، لیکن ان کی قطعیت پر شارع کی کوئی نص موجود نہیں ـــــ اتنا غلو اور تشدد نہ کرنا چاہیے کہ اس سے کسی حدیث کو (جو اس معیار پر پورا نہ اترتی ہو) یا قیاس صحیح کو ٹھکرا دے۔ مثال کے طور پر ہر اس حدیث کا انکار کر دینا جس کے مرسل یا منقطع ہونے کا معمولی شبہ بھی ہو، جیسا کہ علامہ ابن حزم نے امام بخاری کی روایت "تحریم معازف" (گانے بجانے کو حرام قرار دینے سے متعلق حدیث) کو رد کر دیا ہے کہ اس سند میں منقطع ہونے کا شبہ ہے، حالانکہ فی الواقع یہ حدیث متصل اور صحیح ہے، اس قسم کے شکوک کو صرف اس وقت درخور اعتنا سمجھنا چاہیے جبکہ کوئی دوسری صحیح حدیث اس کے مخالف پڑتی ہو۔ تو "ف" یا "و" جیسے حروف تک سے یا کسی لفظ کی تقدیم وتاخیر سے استدلال کا رخ متعین کرنا اور اس طرح کی دوسری باتیں ان کے تکلف

(۱) مقدمہ مغنی ابن قدامہ مع الشرح الکبیر (۱:۱۲-۱۳) دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۳ھ-۱۹۸۳ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے جا اور تشدد ناروا کی آئینہ دار ہیں۔

اہل رائے کی افراط وتفریط

اسی طرح اہل تخریج (یعنی فقہا) کے لیے بھی یہ مناسب نہیں کہ (اپنے ائمہ کے کلام کو کرید کرید کر) کسی ایسے قول کی تخریج کریں جو اس کلام کی روح اور مزاج سے ہم آہنگ نہ ہو اور اہل زبان وعلمائے لغت کا عام اسلوبِ سخن فہمی اس قول کو اس کلام کا نتیجہ قرار دینے سے انکار کر رہا ہو۔ یعنی اس قول کی بنیاد جس علت مشترک کی تخریج پر رکھی گئی ہو، یا جس کو مسئلے کی نظیر مان کر اس پر محمول کیا گیا ہو، اس میں ارباب نظر اختلاف رکھتے ہوں، اور اس بارے میں ایک سے زائد آرا ہوں، پھر اگر بالفرض خود ان ائمہ مذہب سے یہ مسئلہ پوچھا جاتا تو شاید وہ بھی کسی رکاوٹ کی وجہ سے اس معاملے کو اس مسئلے کی نظیر قرار دے کر اس پر محمول نہ کرتے، یا اپنے قول کی کوئی ایسی علت بتاتے جو (بعد میں آنے والے) ان حضرات کی متعین کردہ علت نہ ہوتی۔ تخریج تو اس وجہ سے جائز ہے کہ وہ اصل مجتہد کی تقلید کا دوسرا نام ہے، اس لیے وہ نقص سے پاک اس وقت ہو سکتی ہے جب کہ کلام مجتہد کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر کی گئی ہو۔ اس طرح ان لوگوں کے لیے یہ بات بھی زیبا نہیں کہ صرف ایک ایسے اصول کی پیروی میں، جس کو خود انہوں نے یا ان کے شیوخ نے اپنے فہم سے مقرر کر رکھا ہے، کسی ایسی حدیث یا اثر کو رد کر دیں جس کو تمام علمائے حدیث صحیح کہتے اور مانتے آئے ہیں، جیسا کہ بعض حضرات نے (اپنے قیاس اور اپنے اصول کی پیروی میں) **حدیث مصراۃ** (۱) کو ٹھکرا دیا، یا جس طرح اموال

(۱) صحیح بخاری، کتاب البیوع، حدیث نمبر ۲۱۵۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲-۲۰۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غنیمت میں قرابت دارانِ رسول کے حصے کو ساقط کر دیا۔ ایک خود ساختہ اصول کے مقابلے میں حدیث رسول کا پاس بہر حال ضروری ہے۔ یہی وہ رازِ حقیقت ہے جس کی طرف امام شافعیؒ کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں:

''میں نے جو رائے بھی دی ہو یا جو اصول بھی مقرر کیا ہو (حدیث رسول کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں) اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس کے خلاف مل جائے تو لینے کے قابل وہی بات ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی ہے۔''(۱)

اختلافی مسائل میں کسی چیز کو منکر قرار دینے کا اصول

کسی چیز پر نکیر کرنے کا مفہوم اسے غلط اور قابل مذمت سمجھنا ہے۔

اصول: جو شریعت کے مطابق ہے وہ معروف ہے اور جو شریعت کے خلاف ہے وہ منکر ہے۔ کسی چیز کو معروف یا منکر قرار دینے کا حق صرف شارع کو حاصل ہے، یعنی ہر وہ بات یا عمل جس کے کرنے کا شارع نے حکم دیا ہے وہ معروف ہے اور جس سے شارع نے روک دیا ہے وہ منکر ہے۔

اختلافی مسائل میں نکیر کا اصول۔ علما وفقہا کی نظر میں

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں (۲): جو عمل یا قول اجماع یا سنت کے خلاف ہے اسے منکر کے درجات کے لحاظ سے منکر کہا جائے گا'' اس کے بعد لکھتے ہیں: ''اگر کسی مسئلے میں سنت یا اجماع نہ ہو اور اس میں اجتہاد کی گنجائش ہو تو اسے منکر نہیں کہا جائے گا''۔

جو لوگ اجتہادی وفقہی اختلاف اور غیر اجتہادی اختلاف میں فرق نہیں کرتے ان کی

(۱) اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، ص ۱۳۱، ۱۳۲

(۲) الآداب الشرعیة، ابن مفلح، ۱:۲۲۹، مکتبة الریاض الحدیثة

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعض لوگ تمام مسائل کو اجتہادی مسائل سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ صحیح نقطہ نظر وہی ہے جسے ائمہ فقہا نے اختیار کیا ہے کہ اجتہادی مسائل میں جب تک ایسی دلیل موجود نہ ہو جس پر عمل کرنا واجب ہو؛ مثلاً ایسی صحیح حدیث مل جائے جس کا کوئی معارض نہ ہو، تو ایسی صورت میں اختلاف کرنا جائز ہے۔

سفیان ثوریؒ کہتے ہیں: ''جب آپ کسی کو کوئی ایسا عمل کرتے دیکھیں جس میں مجتہدین کا اختلاف ہو اور تمہاری رائے میں صحیح عمل دوسرا ہو، تو آپ اسے اس عمل سے نہ روکیں۔''(۱)

خطیب بغدادیؒ کہتے ہیں: ''جس بات میں فقہا کا اختلاف ہو اس میں کسی مسلمان بھائی کو اس پر عمل کرنے سے نہیں روکتا''۔(۲)

امام احمدؒ فرماتے ہیں: ''اس شخص پر نکیر نہیں کرنا چاہیے جو کسی ایسے مسئلے میں اجتہاد کرے جس کی فروع میں اختلاف ہو سکتا ہو''۔(۳)

ابن رجب حنبلیؒ کہتے ہیں: ''ایسا کام جس کا ممنوع ہونا اجماع سے ثابت ہو اس کے کرنے سے منع کیا جائے گا لیکن جن امور میں اجتہادی اختلاف ہے ان کے بارے میں ہمارے بعض ائمہ کا قول یہ ہے کہ اس سے منع کرنے کی ضرورت نہیں، خواہ وہ خود مجتہد ہو یا کسی مجتہد کی تقلید کرتا ہو''۔(۴)

امام غزالیؒ منکر کی چوتھی شرط کے ضمن میں بیان کرتے ہیں:

''منکر ایسا عمل ہے جس کا ممنوع ہونا اجتہادی دلیل سے ثابت نہ ہو۔ ہر وہ چیز جس

(۱) الفقیه و المتفقه، خطیب بغدادی، ۲:۶۹

(۲) ایضاً

(۳) الآداب الشرعیة، ابن مفلح (۱:۲۲۷، ۲۲۸)، مکتبة الریاض الحدیثه ۱۳۹۱ھ

(۴) جامع العلوم والحکم، عبدالرحمن بن شهاب الدین بن احمد، ۲:۱۵۴، المکتبة التجاریة، مصطفی احمد الباز مکة المکرمة، اشاعت اوّل، ۱۹۹۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اجتہاد کی گنجائش ہے، اس میں کسی کا مواخذہ نہیں کیا جا سکتا، مثلاً کسی حنفی کے لیے یہ جائز نہیں کہ شافعی المسلک کو گوہ کا گوشت کھانے اور بوقت ذبح بسم اللہ نہ پڑھنے پر ملامت کرے اور کسی شافعی مسلک والے کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ حنفی المسلک کو غیر نشہ آور نبیذ پینے، ذوی الارحام کی میراث لینے اور ایسے گھر کو استعمال کرنے پر ملامت کرے جو اس نے پڑوسی سے بذریعہ شفعہ لیا ہے۔'' (۱)

امام نوویؒ فرماتے ہیں: علما صرف ان امور میں نکیر اور ملامت کرنے کے مجاز ہیں جن کے حلال یا حرام ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہو۔ جن مسائل میں اجتہادی اختلاف ہے، ان میں کسی مسلک کے پیروکار کو منع کرنا درست نہیں کیونکہ ایسے مسائل میں ایک موقف یہ ہے کہ: کُلُّ مجتھدٍ مُصیبٌ (ہر اجتہاد کرنے والا صحیح ہے) اکثر علما کا نقطہ نظر یہی ہے۔

دوسرا موقف یہ ہے کہ المصیبُ واحدٌ (درست یا حق پر ایک ہی ہو سکتا ہے) لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ غلطی پر کون ہے۔ بہر حال یہ طے ہے کہ وہ گناہ گار نہیں ہے۔ (۲)

محبت اور رواداری

فقہی مسائل میں اختلاف رائے کے باوجود ہمارے اسلاف ایک دوسرے کے ساتھ مروت اور رواداری کا سلوک کیا کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ باہمی احترام اور عزت نفس کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اس بارے میں متعدد جلیل القدر صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور فقہاءؒ کی مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔

مسلکی تعصب سے بالاتر رہنا

جن فروعی اور فقہی مسائل میں واضح اور صریح نص موجود نہ ہو ان کی تعبیر وتشریح میں

(۱) احیاء علوم الدین، ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (۲:۵۱۷)، دار الوعی، حلب، اشاعت اوّل، ۱۹۹۸

(۲) شرح مسلم، امام نوویؒ، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان، ۱:۵۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک سے زائد آراء کی گنجائش ہوتی ہے۔ ہر مجتہد اپنے فہم کے مطابق بنیادی اسلامی اصولوں کی روشنی میں اجتہاد کرتا ہے۔ یہ اجتہادی رائے دیگر مجتہدین کی رائے سے کبھی ہم آہنگ ہو جاتی ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتی۔ ہر مجتہد کا مقصد منشاء الٰہی معلوم کرنا اور حق تک پہنچنا ہے۔ اس اختلاف کا مقصد امت مسلمہ میں تفرقہ پیدا کرنا اور اسے مختلف فرقوں میں بانٹنا نہیں ہے بلکہ یہ اختلاف فکر ونظر اور علم وحکمت کے دائروں میں وسعت پیدا کرنا ہے۔ گزشتہ ابواب میں اسلاف کا طرز عمل ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ صرف میری بات حق ہے اور دوسروں کی باطل ہے۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ: اللہ تعالیٰ کو اپنے پیارے محبوب کی تمام ادائیں اور طریقے محبوب تھے، اس لیے ان کے تمام طریقوں کو محفوظ کرنے اور معمول بہ بنانے کے لیے مختلف مذاہب اور مسالک بنا دیے تاکہ تمام طریقے محفوظ ومامون رہیں۔

مسلکی تعصب کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اختلاف رائے کو اختلاف فی الدین سمجھ کر اسے کفر اور اسلام کا مسئلہ بنا لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دینی احکام سے بے خبری، جہالت، علمی برتری، فروعی مسائل پر غیر ضروری زور دینا، مسلکی شناخت اور تشخص کو ابھارنا وہ بنیادی اسباب ہیں جو مسلکی تعصب اور فرقہ واریت کو ہوا دیتے ہیں اور امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ اگر فروعی مسائل میں اختلافات کی حقیقت سے آگاہی کے ساتھ ساتھ اخلاص، للّٰہیت، خوفِ خدا اور دیانت کا غلبہ ہو تو اعتدال کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹے اور نہ ہی باہمی نزاع تک نوبت پہنچے۔

عناد اور ہٹ دھرمی سے اجتناب

اہل کتاب کے تفرقہ کا بنیادی سبب علمی اور فکری نوعیت کا اختلاف نہیں تھا بلکہ آپس کی ضد، ہٹ دھرمی، انا اور اپنے تئیں علمی برتری کا احساس رہا ہے۔ اس کی گواہی قرآن مقدس نے دی ہے: وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ (البینۃ ۹۸:۴) اہل کتاب فرقوں میں نہیں بٹے، مگر جب ان کے پاس روشن دلیل آ گئی تو وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرقوں میں بٹ گئے آپس میں ضد کی وجہ سے۔

اس سے ثابت ہوا کہ تفرقے کی بنیاد علم نہیں بلکہ ضد ہے۔ چونکہ اسلاف اخلاص کے ساتھ حق کی جستجو کرتے تھے اس لیے جب بھی ان پر حق واضح ہو جاتا تو وہ فوراً اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے اور اپنی رائے ترک کر کے درست بات کو اختیار کر لیتے تھے۔ مختلف مسائل میں امام ابوحنیفہؒ نے اپنی رائے سے رجوع کر کے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نقطۂ نظر کو اختیار کیا اور تمام حق پرست علماء کا ہر دور میں یہی شیوہ رہا ہے۔

بدگمانی سے احتراز

آداب اختلاف میں سب سے اہم اور بنیادی نقطہ یہ ہے کہ اختلاف رائے رکھنے والے فقہاء کے بارے میں یہ حسنِ ظن ہونا چاہیے کہ انہوں نے بھی منشاء الٰہی معلوم کرنے میں حسب استطاعت اجتہاد کیا ہے۔ چونکہ اجتہاد انسانی کاوش ہے اور اس بات کا امکان ہے کہ یہ درست ہو اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ یہ رائے درست نہ ہو لیکن کسی کی نیتوں پر شک کرنا، بدگمانی سے کام لینا اور یہ رائے قائم کرنا کہ انہوں نے قصداً اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ یہ بات آداب اختلاف کے خلاف ہے۔

چند اہم مباحث

اختلافی مسائل میں کسی معین مسلک کی پابندی کا مسئلہ

امت مسلمہ میں بحیثیت مجموعی چار معروف فقہی مسالک رائج ہیں۔ ان میں بعض فقہی جزئیات پر چاروں ائمہ کا اتفاق ہے اور بعض میں اختلاف ہے۔ جن اجتہادی آراء میں ائمہ اربعہ میں اختلاف ہے ان میں آیا کسی معین فقہی مذہب کی پابندی ضروری ہے؟ ان کے اخذ وقبول کی کیا کیا صورتیں ہیں اور کسے دلائل کی بنیاد پر کسی ایک رائے کو اختیار کرنے کا حق ہے۔ یہ مسئلہ نہایت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہمیت کا حامل ہے اس لیے اختصار کے ساتھ اس کے بارے میں علماء کا مؤقف ذکر کیا جاتا ہے البتہ بطور تمہید درج ذیل اصولی باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔

۱۔ منصوص احکام کے خلاف کسی کی تقلید یا اتباع: جب کسی شخص کو کسی بھی مسئلے میں قرآن مقدس کی صریح الدلالت آیت یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح الاسناد، صریح الدلالت اور غیر منسوخ حدیث سے شرعی حکم معلوم ہو جائے تو اس صورت میں اس منصوص حکم کے خلاف کسی فقیہ یا مجتہد کی اجتہادی رائے (بالفرض ہو) پر عمل کرنا حرام ہے۔ اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (۱) کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں آیا کہ میرے گلے میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عدی! اس بت کو گلے سے اتار دو۔ میں نے آپ ﷺ کو سورہ براۃ کی یہ آیت پڑھتے سنا کہ یہود و نصاریٰ نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء وفقہاء کو رب بنا لیا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے آیت مبارکہ کی وضاحت میں فرمایا: خوب سمجھ، لو یہ لوگ ان علماء وفقہاء کی پوجا نہیں کرتے تھے لیکن ان کے یہ علماء و درویش جب کسی چیز کو حلال قرار دیتے تو وہ بھی اسے حلال سمجھتے اور جب کسی چیز کو حرام ٹھہرا لیتے تو یہ بھی اسے حرام سمجھتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو حلال و حرام یا جائز و ناجائز ٹھہرانے کا غیر مشروط اختیار دینا اور اللہ اور رسول کے مقابلے میں اس کے فیصلے کو تسلیم کرنا اسے رب بنانا ہے۔ اس لیے اس نوع کے احکام کے خلاف کسی کی اجتہادی رائے قابل قبول نہیں ہوگی۔

۲۔ اجتہادی مسائل میں مجتہدین کی اتباع: قیاس و اجتہادی مسائل یا متعارض نصوص کی تطبیق و توجیہ میں مجتہدین اور محدثین کی اتباع کرنا اور ان کی تحقیقات پر اعتماد کرنا جائز ہے۔ ماہرین شریعت کی طرف رجوع اور ان کی اتباع خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔ ارشاد باری ہے (فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل ۱۶:۴۳، الانبیاء ۲۱:۷)

(۱) سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ۹، رقم الحدیث ۳۱۰۴ (۵:۲۷۸)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(تم خود علم نہیں رکھتے تو اہل علم سے پوچھ لو)۔ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۲۲ اور النساء آیت نمبر ۸۳ میں بھی اسی قسم کی ہدایت ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر پر نکلے، دوران سفر ہم میں سے ایک شخص کو پتھر کی چوٹ لگی اور وہ زخمی ہو گیا۔ اتفاق سے اسے احتلام ہو گیا۔ اس نے ساتھیوں سے پوچھا کہ میرے لیے تیمّم کی اجازت ہے۔ ساتھیوں نے کہا کہ نہیں، تم پانی کے استعمال پر قدرت رکھتے ہو۔ اس نے غسل کیا اور مر گیا۔ جب ہم واپس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ، اَلَّا سَأَلُوْا اِذَا لَمْ يَعْلَمُوْا فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ (۱) (ان پر اللہ کی مار پڑے، انہوں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ جب یہ خود علم نہیں رکھتے تھے تو انہوں نے اہل علم سے کیوں نہیں پوچھا؟ علم کی کمی کا علاج پوچھنا ہے)۔

اس حدیث میں یہ ضابطہ بیان ہوا ہے کہ لاعلم یا کم علم لوگوں کو علماء و فقہاء سے پوچھنا چاہیے اور ان کی بات پر عمل کرنا چاہیے۔

ابن قیمؒ کا نقطۂ نظر

معروف فقیہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: علماء کی دوسری قسم فقہاء اسلام (پہلی قسم حفاظ الحدیث بیان کی ہے) کی ہے جن کے اقوال پر فتویٰ کا دارومدار ہے۔ احکام کا استنباط اور حلال وحرام کے قواعد کا ضبط ان کی خصوصیت ہے۔ زمین پر ان کا وہی مقام ہے جو آسمان پر ستاروں کا ہے۔ اندھیروں میں بھٹکنے والا انہی سے راستہ معلوم کرتا ہے۔ لوگ کھانے پینے سے زیادہ ان کے محتاج ہیں (۲)۔

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب التيمم، باب المجدور يتيمّم، رقم الحدیث ۳۳۶

(۲) اعلام الموقعين ۱:۲۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی خاص فقہی مسلک کی پابندی

اس سے قبل اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ منصوص احکام میں کسی کی اتباع یا تقلید حرام ہے جبکہ اجتہادی مسائل میں اتباع ضروری ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا کسی مخصوص فقہی و اجتہادی مسلک کا اتباع ضروری ہے؟

شرعی دلائل کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انبیاء کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے شخص کا یہ مقام نہیں ہے کہ کسی مسئلے میں اور کسی بھی حالت میں اس کی رائے سے اختلاف کرنا شرعاً حرام ہو۔ یہ مقام صرف اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ کسی متعین مذہب کے کُلی التزام پر نہ کوئی آیت موجود ہے، نہ کوئی حدیث ہے، نہ صحابہ کا اجماع ہے اور نہ ہی ائمہ اربعہ نے اسے لازم قرار دیا ہے۔ اس قاعدے: **المجتهد يخطي و يصيب** (مجتہد خطا بھی کرسکتا ہے اور اس کی رائے درست بھی ہوسکتی ہے) سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے درجہ کی فقیہ کی کسی مسئلہ میں رائے غلط ہو اور کم درجے کی فقیہ کی رائے درست ہو۔ علامہ زرکشی لکھتے ہیں: **جماع الصحابة على تفاوتهم في الفهم ثم اجماعهم على تسويغ تقليد المفضول مع وجود الافضل** صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کے فہم میں تفاوت تھا لیکن اس تفاوت کے باوجود افضل کی موجودگی میں مفضول (کم درجہ) کی تقلید کے جواز پر صحابہ کا اجماع ہے۔(۱) اس سے معلوم ہوا کہ کسی امام کے مذہب کی پابندی ضروری نہیں بلکہ ایک امام کی رائے کو دلیل کی قوت اور شرعی مصلحت کی بنا پر ترجیح دینا اور دوسرے مسئلے میں دوسرے امام کی رائے کو ترجیح دینا جائز ہے۔ جمہور فقہاء کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ کسی دینی سبب سے دوسرے امام کے مذہب کو اختیار کرنا جائز ہے۔ البتہ اس کے لیے جن شرائط اور حدود وقیود کا لحاظ کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے، انہیں لازماً پیش نظر رکھنا ہوگا۔ جہاں علماء نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے وہیں اس کے ساتھ ضروری شرائط کا بھی ذکر کیا ہے۔

---

(۱) البحر المحيط للزركشي ۶:۲۹۶، ۲۹۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابن تیمیہؒ کا نقطۂ نظر

اگر ایک امام کے مذہب سے دوسرے امام کے مذہب کی طرف انتقال کسی دینی سبب سے ہو مثلاً ایک امام کے قول کے مقابلے میں دوسرے امام کا قول قرآن وسنت کے زیادہ قریب ہونا اس پر واضح ہو گیا ہو تو اس صورت میں اپنے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرنے پر اسے اجر ملے گا۔ یہ تو ہر ایک کے لیے واجب ہے کہ جب اللہ اور رسول کا حکم واضح ہو جائے تو اس سے اعراض نہ کرے۔ اللہ اور رسول کی مخالفت میں کسی کی اتباع نہ کرے کیونکہ ان کی اطاعت ہر حال میں ضروری ہے۔ ائمہ مجتہدین دراصل وسائل ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور ان کا مفہوم اپنی اجتہادی صلاحیت کے مطابق ان کو سمجھاتے ہیں۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی مسئلے میں ایک عالم کو وہ فہم دیتا ہے جو دوسرے کو حاصل نہیں ہوتا (۱)۔

علامہ شرنبلالی حنفی کا موقف

متاخرین حنفی فقہاء میں سے علامہ شرنبلالیؒ کی تحقیق بڑی واضح ہے جسے ابن عابدین شامیؒ نے ان کی کتاب **العقد الفرید** کے حوالے سے اس طرح بیان کیا ہے: ''انسان پر کسی معین مذہب کی پابندی واجب نہیں ہے، مزید یہ کہ انسان کے لیے اپنے امام کے مذہب کے خلاف بعض مسائل میں دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ دوسرے امام کی تمام شرائط کو ملحوظ رکھتا ہو'' (۲)۔

ابن الصلاح کا نقطۂ نظر

اگر کوئی شافعی ایسی حدیث پائے جو اس کے مذہب کے خلاف ہو تو اسے اپنے علم اور تفقہ کا جائزہ لینا چاہیے۔ اگر وہ اپنے اندر اجتہاد مطلق یا خاص اسی مسئلہ میں اجتہاد کرنے کی پوری

(۱) فتاویٰ ابن تیمیة، ۲۰:۔

(۲) ردالمحتار، ۱:۵۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استعداد پائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ غور کرنے کے بعد اس حدیث پر عمل کرے اور تقلید کا خیال ترک کر دے۔ ہاں اگر وہ اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا اور اجتہاد کی صلاحیت نہیں پاتا مگر غور وفکر کے بعد معقول دلیل نہ پانے کی وجہ سے حدیث کی مخالفت بھی اس پر گراں گزرتی ہے تو بھی حدیث ہی کا اتباع کرے بشرطیکہ امام شافعیؒ کے بجائے کسی اور امام نے اس پر عمل کیا ہو، کیونکہ اس صورت میں دوسرے امام کا اتباع امام شافعیؒ کے اتباع کے قائم مقام ہوگا۔ امام نوویؒ نے بھی اسی نقطۂ نظر کو ترجیح دی ہے۔

مذکورہ دلائل واقوال سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی مسئلے میں ایک فقہی مسلک سے دوسرے مسلک کی طرف انتقال جائز ہے لیکن جواز کے ساتھ تمام فقہاء نے شرائط بھی ذکر کی ہیں جو مذکورہ اقوال میں بیان کی جا چکی ہیں جن کا حاصل یہ ہے:

شرائط

۱۔ مسلک کی تبدیلی محض ذاتی خواہش کی بنا پر نہ ہو بلکہ اس کا سبب دینی ہو

۲۔ دلیل کی قوت یا شرعی مصلحت اور ضرورت کی بنا پر ایک امام کی رائے چھوڑ کر دوسرے امام کی رائے پر عمل کیا ہو یا فتویٰ دیا ہو۔

۳۔ ایسا شخص قوی اور ضعیف دلائل میں تمیز کر سکتا ہو اور شرعی مصالح کا علم رکھتا ہو

نفسانی خواہش کے لیے مسلک کی تبدیلی

اگر کسی دینی سبب یا دلیل کی قوت کی بنا پر مسلک کی تبدیلی نہ ہو بلکہ نفسانی خواہش اور ذاتی غرض کے لیے ایسا ہو تو ایسا شخص فقہاء کے نزدیک مذمت کے قابل ہے۔ وہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے اور تعزیر کا مستحق ہے۔

علامہ شامی اس باب **من ارتحل الی مذهب الشافعي يعزر** (جو شخص حنفی مسلک سے شافعی مسلک کی طرف منتقل ہوگا اسے سزا دی جائے گی) کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ تعزیر کا مستحق اس وقت ہے جب اس نے کسی شرعی مقصد کے لیے مسلک ترک نہ کیا ہو کیونکہ ایسے شخص

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے فی الحقیقت حق کا اتباع نہیں کیا بلکہ فقہی مسالک کو کھلونا بنا کر اپنے نفس کی پیروی کی۔ مثلاً جب ایک شخص خود پڑوس کی وجہ سے شفعہ کا طالب ہو تو اسے حنفی مسلک کے مطابق حق سمجھے، لیکن جب کسی نے اس پر پڑوس کی وجہ سے شفعہ کا دعویٰ کیا ہو تو وہ شافعی مسلک کے مطابق جائز نہ سمجھے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی خواہش اور ذاتی پسند و ناپسند کے مطابق کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے یا جائز و ناجائز ہونے کے فیصلے کرتا ہے وہ اتباع حق نہیں کرتا بلکہ اپنے نفس کا بندہ ہے اور یہ صورت تمام فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

اجتہادی آراء میں سہولتیں تلاش کرنا

اس سے مراد یہ ہے کہ اجتہادی مسائل میں فقہاء کی آراء میں جو مسئلہ زیادہ آسان اور سہل ہو اسے تلاش کر کے عمل کرنا، اگرچہ عمل کرنے والے کے نزدیک دوسری رائے راجح بھی ہو اور اسے ترک کرنے کی کوئی حقیقی ضرورت نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ آیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اس مسئلہ میں فقہاء اور علماء اصول کے دو نقطۂ ہائے نظر ہیں:

۱۔ جمہور فقہاء کا نقطۂ نظر: جمہور فقہاء کی تحقیق یہ ہے کہ ضرورت اور شرعی مصلحت کے بغیر نسبتاً مشکل ہونے کی وجہ سے اپنے راجح مسلک کو چھوڑنا اور آسان آسان مسائل کی تلاش میں رہنا جائز نہیں ہے۔ اور خواہشات نفس کی اتباع سے بچنے کے لیے اس طرز عمل سے بچنا چاہیے۔

۲۔ بعض علماء اصول کا نقطۂ نظر: مشہور حنفی محقق اور فقیہ ابن الہمام، مسلم الثبوت کے مصنف علامہ محب اللہ بہاری اور بعض دیگر اصولیین کے نزدیک اجتہادی مسائل میں آسانیوں کی تلاش جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے آسان حکم پسند کرتے تھے لہٰذا اجتہادی مسائل میں آسان مسائل پر عمل کرنا جائز ہے۔

جمہور فقہاء کے دلائل۔ جمہور علماء اصول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا منشا اور اجتہادی مسائل میں فرق کرتے ہیں، وہ یہ کہ جو آسانیاں اور سہولتیں منصوص ہیں اور آیات و احادیث سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثابت ہیں انہیں ناجائز کہنا اور اپنی طرف سے مشکل بنانا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث: یسرا ولا تعسرا'' (۱) اور کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب ما خفف عنهم اور اس نوع کی دیگر احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ آسان دین کو مشکل نہ بناؤ۔ جو کام نفل اور مستحب کے درجہ میں ہے اسے فرض نہ بناؤ، جو خلاف اولیٰ ہے اسے حرام کا درجہ نہ دے دو، اعتدال کا راستہ اختیار کرو، اپنے اوپر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ اسے جاری نہ رکھ سکو۔

لیکن اجتہادی مسائل کی نوعیت جدا ہے ان کی بنیاد غالب گمان پر ہے۔ جب کسی مفتی اور عالم کو کسی فقیہ کی رائے کے راجح ہونے کا غالب گمان حاصل ہو گیا تو اب کسی ضرورت کے بغیر کمزور رائے کو محض سہولت کے لیے اختیار کرنا درست نہیں ہے۔

دلائل کے لحاظ سے جمہور کا نقطہ نظر مبنی بر احتیاط ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب أمر الوالی اذا وجه أمیرین الی موضع ان یتطاوعا ولا یتعاصیا، رقم الحدیث ۷۱۷۲، ص ۱۳۶۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہم نکات

☆ فقہی اختلاف کا موضوع وہ اجتہادی مسائل ہیں جن میں ائمہ و مجتہدین کی اجتہادی آراء ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

☆ اختلاف دو طرح کا ہے: ایک اختلاف محمود، جو شریعت کے اصولوں سے ہم آہنگ ہو اور جس کا مقصد اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ منشاء الٰہی معلوم کرنا ہو اس نوع کا اختلاف رحمت ہے۔

☆ دوسری قسم کا اختلاف، اختلاف مذموم ہے۔ اس سے مراد وہ اختلاف ہے جو حق اور سچائی کی تلاش کی بجائے، ضد، ہٹ دھرمی اور جہالت پر مبنی ہو۔ اس قسم کا اختلاف فتنہ وفساد کا باعث ہے۔

☆ اختلاف محمود سے اسلامی قانون کی وسعت، جامعیت، ہمہ گیریت اور عالمگیریت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بے شمار فوائد کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے جبکہ اختلاف مذموم وحدتِ امت کو پارہ پارہ کرنے کا باعث بنتا ہے اور یہ بدترین نتائج کا حامل ہے۔

☆ فقہی جزئیات میں اختلاف کی حقیقت کو دیکھا جائے تو زیادہ تر اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے۔ بہت کم مسائل ہیں جن میں حلال وحرام یا جائز وناجائز کا اختلاف ہو۔

☆ عہدِ رسالت میں فقہی جزئیات میں اختلاف نہیں تھا، اگر کوئی جزئی واقعہ پیش بھی آیا تو رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش ہونے کے بعد وہ اختلاف ختم ہو گیا۔

☆ عہدِ صحابہ میں فقہی اختلافات کا دائرہ بہت محدود رہا، تاہم یہ عقائد کا اختلاف نہیں تھا بلکہ بعض فقہی جزئیات کا اختلاف تھا۔

☆ صحابہ کرامؓ کے سنہرے دور میں عناد، علمی برتری اور خواہش نفس کی بجائے اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ حق کی اتباع کی جاتی اور جب بھی حق واضح ہو جاتا تو وہ فوراً اپنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رائے سے رجوع کر لیتے۔

☆ تابعین اور بعد کے ادوار میں فقہی اختلافات کا دائرہ خاصا وسیع ہو چکا تھا لیکن اس دور میں بھی ائمہ مجتہدین کا یہ اختلاف علمی تحقیق اور اخلاص پر مبنی رہا ہے۔

☆ ائمہ مجتہدین کے تلامذہ کے ہاں عقیدت، احترام اور جذباتی وابستگی کے باوجود مکمل فکری آزادی پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے اساتذہ سے متعدد مسائل میں اختلاف بھی کیا ہے۔

☆ علمی تحقیق پر مبنی اختلاف کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ فقہی اختلاف میں سلف کے طرزِ عمل کا مطالعہ کیا جائے تو فقہی جزئیات میں اختلاف کے باوجود رواداری، اخوت، محبت اور برداشت کی نظیریں دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتیں۔

☆ فقہی اختلافات کی حقیقت جاننے کے لیے ان کے اسباب سے آگاہی ضروری ہے۔

☆ فقہی اختلاف کفر اور اسلام کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وسعت، رحمت اور سہولت کا پہلو ہے۔

☆ اختلافی مسائل میں غلو اور افراط وتفریط سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ

- فقہاء کی اجتہادی آراء کے درجہ سے آگاہی ہو۔
- ان مسائل کا علم ہو جن میں اختلاف کی گنجائش ہے کیونکہ وہ احکام جو ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے قطعی ہیں ان میں اختلاف رائے نہیں ہو سکتا۔
- الاھم فالاھم کے اصول کا علم ہو کہ دین میں کون سی چیزیں مقدم اور اہم ہیں جو کفر اور اسلام کی حدوں کا تعین کرتی ہیں اور کون سی جزئیات اور فروعی مسائل کی حیثیت رکھتی ہیں۔
- متفقہ مسائل پر زیادہ توجہ مرکوز کی جائے اور اختلافی مسائل پر زیادہ زور صرف نہ کیا جائے کیونکہ فقہی جزئیات کا بڑا حصہ متفق علیہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- کم اہم مسائل پر زیادہ اہم امور کو قربان نہ کیا جائے جیسا کہ صحابہ اور اسلاف کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک وحدت دین اور اسلامی اخوت فقہی مسائل سے بہرصورت فوقیت رکھتی تھی۔
- کبار ائمہ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ جس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش ہو اور مجتہدین کا اختلاف ہو، اس میں کسی مسئلہ کے پیروکار کو ملامت کرنا یا منع کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔
- بقول امام ابن تیمیہؒ اگر کسی مسئلے میں سنت یا اجماع نہ ہو اور اس میں اجتہاد کی گنجائش ہو تو اسے ''منکر'' نہیں کہا جائے گا۔
- فقہی مسائل میں اختلاف رحمت ہے بشرطیکہ اس کی حقیقت جاننے کے ساتھ ساتھ آداب اختلاف سے بھی آگاہی ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتابیات

آمدی، علی بن سیف الدین، الإحکام فی أصول الأحکام، دار الکتاب العربی، ۱۹۹۸

ابن الاثیر، محمد بن عبد الکریم الجزری، النهایة فی غریب الحدیث و الأثر، طباعت چہارم، قم مطبوعات اسماعیلیان، ۱۳۴۶ھ

ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن تیمیہ، شیخ الاسلام، مجموع فتاویٰ، الرئاسة العامة لشئون الحرمین

ابن حجر، احمد بن علی بن محمد العسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار الریان للتراث، القاهره، طباعت دوم، ۱۴۰۷-۱۹۸۷

——— تهذیب التهذیب، المکتبة الاثریة، لاہور

ابن رشد، ابو الولید محمد بن احمد، بدایة المجتهد و نهایة المقتصد، المکتبة العلمیة، لاہور، طباعت دوم، ۱۴۰۴ھ - ۱۹۸۴ء

ابن قدامة، ابو محمد عبد الله بن احمد بن قدامة المقدسی، هجر للطباعة و النشر، طباعت دوم، ۱۴۱۲-۱۹۹۲

ابن قیم، ابو عبد الله محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، دار الحدیث، القاهره

ابن کثیر، حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر، البدایة و النهایة، دار الکتب العلمیه، بیروت ۱۹۸۵

ابن ماجه، ابو عبد الله محمد بن یزید بن ماجه القزوینی، سنن ابن ماجه، دار المعرفة، بیروت، لبنان، القاهره، ۱۴۱۸ ۱۹۹۷

ابن مفلح، ابو عبد الله محمد بن مفلح، الآداب الشرعیة و المنح المرعیة، مکة المکرمة، مکتبة الریاض، ۱۴۱۷-۱۹۹۶

ابن ندیم، ابو الفرج محمد بن اسحاق، الفهرست، دار المعرفة، بیروت، لبنان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن ھشام، عبدالملک بن ھشام، السیرۃ النبویۃ، ادارہ احیاء التراث العربی، بیروت

ابواسحاق فیروز آبادی شیرازی، طبقات الفقھاء، دار القلم، بیروت

ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، دار السلام، الریاض، طباعت اول، ۱۴۳۰ھ-۱۹۹۹ء

ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵ء

ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، قاضی، کتاب الخراج، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۷۹

احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، دار الفکر

بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، اشاعت اول، ۲۰۰۱ء

البسیط، احمد اسماعیل، امام حسن اور ان کی تفسیری خدمات (مترجم عبدالقیوم)، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، اشاعت اول، ۱۹۹۴ء

جرجانی، علی بن محمد بن علی، کتاب التعریفات، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۳ھ-۲۰۰۲

خطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی بن ثابت، کتاب الفقیہ والمتفقہ، المکتبۃ العلمیۃ، دمشق، سوریا

الخن، مصطفیٰ سعید، ڈاکٹر، اثر الاختلاف فی القواعد الاصولیہ فی اختلاف الفقھاء، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، اشاعت سوم، ۱۴۰۲ھ-۱۹۸۲ء

دائرۃ المعارف الاسلامیۃ، دار المعرفۃ، بیروت

دہلوی، شاہ ولی اللہ، اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ (ترجمہ صدرالدین اصلاحی)، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، طباعت ۱۹۸۲ء

زیلعی، محمد بن عبداللہ، نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ، دار نشر الکتب الاسلامیۃ،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لاہور، طباعت اول، ۱۳۵۷ھ-۱۹۳۸ء

شافعی، ابوعبداللہ محمد بن ادریس، امام، الرسالة، المكتبة العلمية، بیروت

ـــــــ الأم، دارالفکر، ۱۴۰۰ھ-۱۹۸۰ء

شوکانی محمد بن علی، نیل الاوطار، دار الكتاب العربی، بیروت، طباعت دوم، ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۰ء

عبدالرحمٰن بن شہاب الدین بن احمد، جامع العلوم والحكم، مكتبة التجارية، مكة المكرمة، اشاعت اول، ۱۹۹۲ء

علوانی، ڈاکٹر طٰہٰ جابر فیاض، ادب الاختلاف فی الاسلام، المعهد العالمی للفكر الاسلامی، واشنگٹن

علی الخفیف، اسباب اختلاف الفقهاء، دار الفكر العربی، القاهرة، طباعت دوم ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۴

غزالی، ابوحامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، بیروت

قرضاوی، ڈاکٹر یوسف، فی فقه الأولويات، مكتبه وهبة، القاهره، طباعت اول ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵ء

قرطبی محمد بن احمد الانصاری، الجامع لأحكام القرآن، دارالکتاب العربی، بیروت، طباعت سوم، ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۰ء

قلعہ جی، محمد رواس، معجم لغة الفقهاء، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

مالک بن انس، المؤطا، دارالفکر، بیروت، ۱۹۸۹ء

مرغینانی، علی بن ابی بکر، الهداية، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، کراچی، طباعت ۱۴۱۷ھ

مسلم، ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری، صحیح المسلم، دارالحدیث، القاهره، ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۱ء

نووی، یحیٰی بن شرف، شرح صحیح المسلم، مكتبة الغزالی، دمشق

ہاشمی، عبدالمنعم، عصر التابعین، دار ابن کثیر، بیروت، طباعت سوم، ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۰ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شریعہ اکیڈمی روز اوّل سے اپنے پروگراموں کے ذریعے اسلامی قانونی فکر کی دور جدید کے تقاضوں کے مطابق ترویج واشاعت کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔ ماہرین قانون اور عدلیہ کے افسران ذی وقار کے تربیتی کورسز، عام پڑھے لکھے لوگوں کے لیے قانونِ اسلامی کے کورسز بذریعہ خط وکتابت اور دور جدید کے تقاضوں کے مطابق قانون اسلامی پر مشتمل مواد کی نشر واشاعت اس ادارے کی بنیادی سرگرمیاں ہیں۔ زیر نظر کتابچے ''فقہی اختلافات: حقیقت، اسباب اور آداب وضوابط'' کی اشاعت اکیڈمی کے اشاعتی پروگرام ''شریعہ مونوگرافس'' کی ایک کڑی ہے۔

کتاب کے مؤلف اکیڈمی کے رفیق کار حافظ حبیب الرحمن صاحب فاضل درس نظامی، ایل ایل بی اور ایم فل (اسلامیات) ہیں اور ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ تکمیلی مراحل میں ہے۔ ان کے قلم سے ڈاکٹر مصطفیٰ سعید الخن اور ڈاکٹر جمال الدین عطیہ کی تالیفات کے تراجم بالترتیب ''قواعد اصولیہ میں فقہاء کا اختلاف اور فقہی مسائل پر اس کا اثر''، ''شریعت اسلامی کا عمومی تصور'' اور ایک مونوگراف ''اسلام کا قانونِ قسامت'' شائع ہو چکے ہیں۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے پروگرام ''تراجم مصادر قانون اسلامی'' کے سلسلے میں ان کی ایک کاوش ''احکام طلاق'' بھی منظر عام پر آ چکی ہے۔ دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے ''مطالعہ حدیث: خط وکتابت کورس'' کے چوبیس یونٹوں کی تیاری بھی آپ کی ایک اہم کاوش ہے۔

اختلاف فقہاء کی حقیقت، اسباب اور آداب کا مطالعہ ماضی میں بھی ایک دلچسپ موضوع رہا ہے اور ہر دور میں اس پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ لوگ بالخصوص رائج الوقت قانون سے وابستہ افراد جب فقہاء اور مجتہدین کی آراء اور اجتہادات پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ البتہ یہ امر خوش آئند ہے کہ ہمارے ہاں قانون دان حضرات میں اسلامی قانون کا مطالعہ کرنے کا رجحان اور ذوق دن بدن بڑھ رہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی قانون پر مشتمل مواد کو آسان اور عام فہم انداز میں شائع کرنے کا اہتمام کیا جائے اور اس سے متعلق جو شبہات، تحفظات اور سوالات جدید ذہن میں ابھر رہے ہیں ان پر علمی انداز سے روشنی ڈالی جائے۔ اس ضرورت کے پیش نظر اس کتابچے میں فقہی اختلاف کی حقیقت اور اسباب پر بحث کی گئی ہے۔ فقہی اختلاف میں اسلاف اور ائمہ مجتہدین کے طرز عمل کی مثالوں سے وضاحت کی گئی ہے اور فروعی اختلافات کے آداب وضوابط کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ شریعہ اکیڈمی نے اس رسالے کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے۔ امید ہے یہ کاوش اسلامی قانون کے فہم میں ممد ومعاون ثابت ہوگی۔

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد